

رمضان المبارک کا مہینہ

تذکیہ نفس کا بہترین موقع

رمضان المبارک کا مہینہ
تذکیہ نفس کا بہترین موقع

مصنف

حجتہ الاسلام والمسلمین علامہ شیخ حسن بن موسیٰ الصفار دام عہ

مترجم

مولانا اشرف حسین آخوندزادہ دام عہ



جامعة الفاروق

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

نام کتاب: رمضان المبارک کا مہینہ تذکیہ نفس کا بہترین موقع
مؤلف: حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ شیخ حسن بن موسیٰ الصفار دام عزه
مترجم: مولانا اشرف حسین آخوندزادہ دام عزه
طبع: اول
سن اشاعت: مارچ ۲۰۲۱ء رجب المرجب ۱۴۴۲ھ
تعداد: ۲۰۰۰
ناشر: دار القرآن کریم جامعۃ الکواثر، اسلام آباد

— مؤلف کا پتہ —

المملكة العربية السعودية

ص ب: 1322 القطيف: 31911

فون: +966 13 855210

فیکس: +966 138512600

ای میل: office@saffar.org

ویب: www.saffar.org

الحمد لله رب العالمين.. اللهم صل على محمد وآل محمد، كما
صليت على ابراهيم وآل ابراهيم، وبارك على محمد وآل
محمد كما بارككت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد -

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ

الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ (سورة بقرہ، آیت ۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو (باعث) ہدایت ہیں اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والے ہیں۔

فہرست

۹	تقدیم.....
۱۱	رمضان المبارک: معرفت نفس کا بہترین موقع.....
۱۳	معرفت نفس کی دعوت.....
۱۵	نماز شب اور اعتکاف۔۔۔ غور و فکر کے مواقع.....
۱۵	غور و فکر کا مہینہ.....
۱۶	قابل توجہ نکتہ.....
۱۸	تلاوت قرآن ہدایت کا ذریعہ.....
۲۱	ذات میں تفکر کے مواقع.....
۲۱	ذات کے بارے میں تامل و تفکر کن امور میں ضروری ہے؟.....
۲۷	رمضان المبارک کی فضیلت.....
۲۹	روزہ کے فوائد.....
۳۱	۱۔ سستی و کاہلی.....
۳۶	۲۔ کھانے پینے کی بے مہار خواہش.....
۳۸	شوگر اور امراض قلب میں اضافہ.....
۴۱	لیلیۃ القدر، تغیر و تبدل کے فیصلوں کی رات.....
۴۳	استغفار کا فلسفہ.....
۴۷	تبدل و تغیر کا فیصلہ.....
۵۰	دعا کی قوت.....
۵۱	مشکل فیصلے کرنے کی طاقت.....
۵۳	خلوص و محبت بھری عید پر نفرت و دشمنی کی بیخ کنی.....
۵۴	دشمنی کا میدان.....
۵۵	دشمنی اور باہمی تنازعات کی دو قسمیں ہیں.....

- ۵۶..... دین میں دشمنی.....
- ۵۹..... اسلام کے مقدس دائرے میں.....
- ۶۰..... رویت ہلال کا مسئلہ.....
- ۶۱..... اس مسئلے کا فقہی نقطہ نظر سے تجزیہ.....
- ۶۳..... محبت و اخلاص بھری عید.....

تقدیم

ہر معاشرہ اپنی اجتماعی زندگی میں ہمیشہ ایک ایسی متحرک اور رہنمائی فراہم کرنے والی ثقافت کا محتاج ہوتا ہے، جو اس معاشرے کو اس کی موجودہ صورت حال سے آگاہی فراہم کرے اور اس کے سامنے ترقی و تکامل کے دروازے کھولنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کو مختلف قسم کی چیلنجز اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے میں مدد بھی فراہم کرے،

معاشرے میں اپنا یہ کردار ادا کرنے، معاشرے کے اندر موجود لوگوں کی اچھی صلاحیتوں کو استعمال کرنے اور ان کا رخ ترقی و تکامل کی جانب موڑنے کے لئے اس ثقافت کا مندرجہ ذیل صفات کا حامل ہونا بہت ضروری ہے۔

۱. وہ ثقافت اس معاشرے کی حقیقی اور درست دینی اقدار کے تابع ہو۔
۲. وہ ثقافت لوگوں کی زندگی میں رونما ہونے والے تغیرات اور فکری تقاضوں اور تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہو۔

۳. اس ثقافت سے معاشرے کی ضروریات اور اس کے تقاضوں کے مطابق قابل عمل لائحہ عمل نکالنا ہو

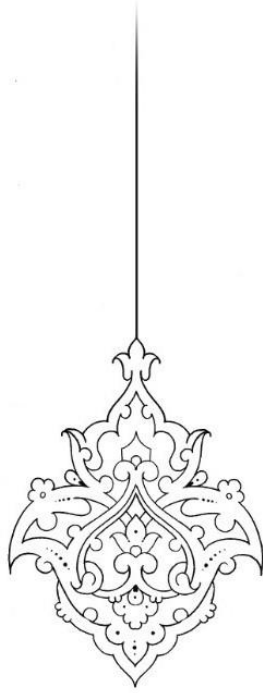
۴. اس ثقافت کے اندر معاشرے میں موجود لوگوں سے ان کی مختلف فکری سطح اور سیاسی و سماجی نظریات نیز ان کی گونا گوں خواہشات کے مطابق ان سے مخاطب ہونے کی صلاحیت اس طرح سے موجود ہو کہ جس میں علمی و فلسفی اور کسی خاص گروہ کے لئے استعمال ہونے والی مخصوص اصطلاحات سے دوری اختیار کی جائے، کیونکہ معاشرے میں موجود عام لوگوں کو مخاطب کرنے

اور انہیں سمجھانے کے لئے بہت زیادہ وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے، اور ان کے روزمرہ زندگی کے مسائل کو حل کرنا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔

جبکہ معاشرے میں موجود بیدار مغز علماء، خطباء اور مفکرین و ادباء اس مطلوبہ ثقافت کو ایجاد کرنے اور اسے لوگوں میں رائج کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر اس میدان میں جناب حجۃ الاسلام علامہ شیخ حسن الصفا حفظہ اللہ اپنی فکر انگیز خطابت، گرانقدر تحریروں اور وسیع پیمانے پر پروگرامز کے انعقاد کے ذریعے ایک متحرک ثقافت کے تعارف اور اس کی ترویج کے لئے کوشاں ہیں۔

زیر نظر مختصر کتابوں کی یہ سیریز مختلف مناسبات پر دئے گئے آپ کے ان خطبات اور لیکچرز کا مجموعہ ہے، جنہیں آپ کے ادارے کے شعبہ ثقافت نے تیار کر کے برائے استفادہ عمومی اس امید کے ساتھ شائع کیا ہے کہ ان کی یہ کوشش علم و آگاہی اور بیداری کو عام کرنے، تعمیری فکر کو فعال بنانے اور معاشرے کو ثقافتی جلا بخشنے میں مددگار ثابت ہوگی۔



— رمضان المبارک: معرفت نفس کا بہترین موقع —

اگر انسان اپنی زندگی کے بارے میں غور و فکر کرے، نیز زندگی اور اس کے معاملات و نشیب و فراز کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرے تو وہ ضرور اس حقیقت سے آشنا ہو جائے گا کہ وہ ایک خاص فکر کا حامل ہے، اس میں کچھ خاص ذاتی و شخصی صفات پائی جاتی ہیں اور وہ ایک خاص طرز فکر رکھتا ہے، نیز وہ ایک خاص قسم کے حصار اور مخصوص حالت میں زندگی گزار رہا ہے کہ جو اس کی اجتماعی و انفرادی زندگی کو سمت عطا کرتی ہے۔

اس مرحلے پر انسان کو اپنے آپ سے یہ سوال ضرور پوچھنا چاہئے کہ جس حالت میں وہ زندگی گزار رہا ہے کیا وہ اس حالت پر راضی ہے؟ اور کیا وہ اپنی موجودہ حالت کو بہتر اور قابل رشک حالت قرار دے سکتا ہے؟ یا پھر یہ کہ وہ اپنے آپ میں نقطہ ہائے ضعف اور خلا محسوس کرتا ہے؟

جس قسم کے افکار و صفات کے وہ حامل ہے اور جس قسم کی طرز زندگی اس نے اپنائی ہے کیا وہ طرز زندگی اس کے لیے اس طرح لازمی ہے کہ جسے تبدیل کرنا یا اسے چھوڑ دینا اس کے لئے ممکن نہ ہو؟ یا یہ کہ وہ ایک ایسا آزاد انسان ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے آزاد خلق کیا اور ارادہ و اختیار کا مالک بنایا ہے۔ (اور جیسی طرز زندگی وہ اپنانا چاہیے وہ اسے اپنانے پر قادر ہے)

در حقیقت یہ سوالات انسان کے وجود کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور سامنے آنے کے لئے مناسب فرصت کی تلاش میں ہوتے ہیں، پس تفکر و تامل کے ذریعے انسان اپنے اندر موجود ان سوالات کو سامنے آنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ تاکہ یہ انسان خود اپنے آپ پر کھل سکے، اپنی ذات کی گہرائیوں میں اتر سکے، اور ذات کی گہرائیوں میں موجود موتیوں کا سراغ لگا سکے۔

اگرچہ ہر انسان اس طرح اپنی ذات کو پہنچانے کے لیے ذات کی جانب رجوع کرنے کی حاجت رکھتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر انسان اپنی ذات کے بارے میں جاننے کے لئے کوئی فکری کوشش نہیں کرتے، اس کی دو وجوہات ہیں:

۱. انسان کا عملی زندگی کے امور میں بہت زیادہ مصروف و مشغول ہو جانا، جبکہ ان امور میں کچھ ایسے امور بھی شامل ہیں کہ جو ضروری ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ جن کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔
۲. دوسری اور اہم وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنی ذات پر توجہ دیتا ہے، اور اپنی ذات کے روبرو آجاتا ہے تو یقیناً یہ کام انسان سے اپنی ذات کی بابت بنیادی اور ضروری فیصلے کرنے کا تقاضا کرتا ہے، جس سے بہت سے لوگ راہ فرار اختیار کرتے ہیں، جس طرح بہت سے لوگ میڈیکل چیک اپ سے اس لئے بھاگتے ہیں کہ چیک اپ سے ان کی بیماریاں سامنے آئیں گی، جس کے نتیجے میں انہیں بہت سی چیزوں سے اجتناب کرنا ہوگا، یا انہیں علاج کے لئے خاص دوائیاں لینیں پڑیں گی۔

معرفت نفس کی دعوت

اسلامی تعلیمات میں ذات کی شناخت اور محاسبہ نفس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، نیز مادی امور کے سلسلے میں بہت زیادہ اہتمام کرنے اور زندگی میں لامتناہی سرگرمیوں میں مکمل طور پر مصروف ہونے سے بچتے ہوئے اپنی ذات کی شناخت اور نفس کی تربیت کو اسلام میں بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

خاتم النبیین حضرت رسول خدا ﷺ سے یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا، وزنوها قبل ان توزنوا^۱۔

۱۔ محمد باقر المجلسی بحار الانوار، ج ۶ طبع سوم ۱۴۰۳ھ، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت، ص ۷۳

اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے، اور اپنے نفس کا حساب لو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے۔^۱

امیر المؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے:

ما أحق الإنسان أن تكون له ساعة لا يشغله عنها شاغل، يحاسب فيها نفسه، فينظر فيها اكتسب لها وعليها في ليلها ونهارها.^۲

کس قدر اچھا ہو کہ انسان کے لئے (کوئی) ایک وقت ایسا (بھی) معین ہو کہ جس میں کوئی اور کام اسے مصروف نہ کرے (اور) اس دوران وہ صرف اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور یہ دیکھے کہ اس دن اور رات میں اس نے کیا کھویا اور کیا پایا؟

جب انسان غور و فکر کرتا ہے اور اپنی ذات کی شناخت پر توجہ دیتا ہے تو یہ کام اسے اپنی خطائیں اور کمزوریوں کو پہچاننے کا موقع فراہم کرنے کے علاوہ اسے بہتر اور افضل زندگی کی جانب بھی بڑھاتا ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

ثمرة المحاسبة اصلاح النفس.^۳

محاسبہ کا فائدہ اصلاح نفس کی صورت میں نکلتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حاسب نفسه ربح ومن غفل عنها خس.^۴

جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا وہ فائدے میں رہا اور جس نے اس کام سے غفلت برتی وہ خسارے میں رہا۔

۱۔ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۶، طبع سوم، ۱۳۰۳ھ دار الاحیاء التراث الاسلامی بیروت، ص ۷۳

۲۔ عبد الواحد الآمدی التیمی، غرر الحکم ودرر الکلم، ج ۲، طبع اول، ۱۳۰۷ھ، موسسة العلمی للطبوعات، ص ۳۱

۳۔ حوالہ سابق، ج ۱، ص ۳۲۳

۴۔ سید شریف رضی، نخب البلاغۃ تصار الحکم ۲۰۸

نماز شب اور اعتکاف۔۔ غور و فکر کے مواقع

شاید نماز شب کے اہداف میں سے ایک ہدف یہ بھی ہو کہ رات کی تاریکی اور سکون و سکوت کے عالم میں خضوع و خشوع کے ساتھ اپنے خالق کے حضور کھڑا ہونا انسان کو محاسبہ نفس کا موقعہ فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح اعتکاف جیسی عبادت کے پیچھے بھی یہی حکمت کار فرما ہو سکتی ہے، چونکہ اعتکاف میں انسان عبادت کی نیت سے تین یا اس سے زیادہ دن روزہ رکھ کر مسجد میں بیٹھتا ہے اور شرعی حاجت کے علاوہ مسجد سے باہر نہیں نکلتا۔

غور و فکر کا مہینہ

سال کے بارہ مہینوں میں رمضان المبارک جیسا کوئی اور مہینہ موجود ہی نہیں ہے، اس لئے رمضان المبارک ہی سب سے افضل اور بہتر مہینہ ہے کہ جس میں انسان اپنی ذات کے بارے میں تدبر و تامل کرے، کیونکہ جیسا کہ رسول خدا ﷺ سے مروی ہے کہ اس مہینے میں "تتضاعف الحسنات و تمحی السیئات". "اس مہینے میں نیکیوں کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور گناہ مٹائے جاتے ہیں۔

اسی طرح اس مبارک مہینے میں انسان کو خداوند متعال کی بارگاہ سے مغفرت حاصل کرنے کے لئے ایک بڑی عمر جتنی فرصت حاصل ہو جاتی ہے اسی لئے حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے:

ان الشقی من حرم غفران الله فی هذا الشهر العظيم.

جتنی جو شخص اس عظیم مہینے میں خدا کی مغفرت حاصل کرنے میں ناکام رہا وہ شقی ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے:

من ادرک شہر رمضان فلم یغفر له فابعده الله.^۱

جو شخص رمضان المبارک کا مہینہ پائے، اور اس مہینے میں اس کے گناہ معاف نہ ہوں، تو وہ خدا سے دور ہے۔

اسی طرح روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے:

فمن لم یغفر له فی شہر رمضان ففی ای شہر یغفر له.^۲

جو شخص رمضان المبارک میں نہیں بخشا گیا وہ (بھلا ہو) کب بخشا جائے گا؟

قابل توجہ نکتہ

بعض لوگ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ رمضان المبارک کے ان عظیم نتائج و فوائد کو حاصل کرنے کے لئے توجہ اور سعی و کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس اس مقدس مہینے کو اپنی ذات کی طرف رجوع کرنے، تفکر و تامل کرنے اور محاسبہ نفس کا مہینہ قرار دیا جانا چاہئے۔ کیونکہ اس مہینے میں جب انسان کھانے پینے اور روزمرہ زندگی سے جڑی دیگر خواہشات سے پرہیز کرتا ہے تو ان تمام امور سے اسے فرصت مل جاتی ہے اور یوں انسان کو اپنی ذات کی طرف توجہ دینے اور ذات کی جانب رجوع کرنے کا بہتر موقع مل جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس مقدس مہینے کے عظیم مواقع سے میں استفادہ کرنے کے لئے ایک خاص قسم کا روحانی ماحول وجود میں آتا ہے کہ جس کی تشکیل پر اسلامی تعلیمات میں بہت زور دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر نماز شب خداوند متعال کے ساتھ راز و نیاز کا ایک حقیقی موقع ہے، ہمیں رات کے لمحات کو صرف نیند اور دیگر سماجی روابط میں اس طرح صرف نہیں کرنا چاہئے کہ آدھی رات گزرنے کے

۱۔ محمدی شہری، میزان الحکمة، ج ۳، طبع اول ۱۴۰۳ھ، مکتب الاعلام الاسلامی، ص ۱۷۹-۱۸۰۔ علاؤ الدین علی ہنقی ہندی، کنز العمال، طبع پنجم

۱۴۰۵ھ، موسسة الرسالہ بیروت، رقم ۲۳۸۳۱

۲ کنز العمال، رقم ۲۳۲۹۳

بعد - جو کہ نماز شب جیسی عظیم عبادت کے وقت کا نقطہ آغاز ہے، - اس پر سکون ماحول میں اپنے پروردگار کے حضور آدھا گھنٹہ کھڑے ہو کر راز و نیاز کرنے سے بھی محروم رہ جائیں۔

مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ اس عظیم عبادت (نماز شب) کے لئے باقاعدہ پلاننگ کرے تاکہ اس کے نتائج و ثمرات کو بہترین طریقے سے حاصل کر سکے۔ اس کے علاوہ پوری قوت و تازگی کے ساتھ یہ نماز ادا کی جائے، نہ اس طریقے سے کہ بس واجب یا مستحب حکم سے اپنی جان چھڑائی جائے۔ بلکہ اس نماز کو پڑھنے کا مقصد اس کے ان عظیم اہداف و مقاصد کا حصول ہونا چاہئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۗ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝۱

اور رات کا کچھ حصہ قرآن کے ساتھ بیداری میں گزارو، یہ ایک زائد (عمل) صرف آپ کے لیے ہے، امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

ان العبد اذا تخلى بسيدته في جوف الليل المظلم وناجاه، أثبت الله النور في قلبه.... ثم يقول جل جلاله ملائكتك: ملائكتي أنظروا إلى عبدي فقد تخلى بي في جوف الليل المظلم والبطالون والغافلون نيام اشهدوا أني غفرت له.^۲

جب بندہ تاریک رات میں اپنے پروردگار سے راز و نیاز کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور پیدا کرتا ہے۔۔۔۔۔ اور پھر اپنے ملائکہ سے فرماتا ہے:

اے میرے ملائکہ! میرے بندے کی طرف دیکھو جو تارکی شب میں تنہا مجھ سے راز و نیاز کر رہا ہے، جبکہ بیکار رہنے والے، لہو و لعب میں مصروف رہنے والے اور غافل رہنے والے لوگ سو رہے ہیں۔ پس اے میرے ملائکہ! گواہ رہنا کہ میں نے اپنے اس بندے کو معاف کر دیا ہے۔

تلاوت قرآن ہدایت کا ذریعہ

ماہ مبارک رمضان میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے حوالے سے بھی بہت زیادہ تاکید وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ مہینہ قرآن کا مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ جس کے بارے میں خداوند متعال نے فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْقُرْآنِ . . .

رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو ہدایت ہیں اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والے ہیں۔

اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ

لكل شيء ربيع وربيع القرآن شهر رمضان.

ہر چیز کی ایک بہار ہے، (اور) قرآن کی بہار ماہ رمضان ہے۔

روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ

من تلا فيه آية كان له مثل من ختم القرآن في غيره من الشهور.

جس شخص نے رمضان المبارک میں قرآن مجید کی ایک آیت کی تلاوت کی، اسے دیگر مہینوں میں پورے قرآن کی تلاوت کا جتنا ثواب ملے گا۔

قرآن مجید کی تلاوت اس لیے بھی فائدہ مند ہے کہ اس سے انسان کو اپنی ذات کی جانب توجہ کرنے، اپنی ذات کا کھوج لگانے نیز اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کو محسوس کرنے کا موقع ملتا ہے۔ البتہ یہ سب کچھ تلاوت قرآن کے ساتھ ساتھ اس میں تفکر و تدبر کرنے، قرآن کے مفہام کو سمجھنے کا اہتمام کرنے اور قرآن مجید کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے سے مشروط ہیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے:

ألا لا خير في قراءة ليس فيها تدبر، تدبروا آيات القرآن واعتبروا به فانه
ابلغ العبر.

آگاہ رہو قرآن مجید کی اس تلاوت کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ جس کے ساتھ تدبر و تامل نہ ہو۔
قرآن کی آیات میں غور و فکر کیا کرو اور ان سے عبرت حاصل کرو، کیوں کہ قرآن عبرت
(حاصل کرنے) کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

تلاوت کے حوالے سے بعض لوگوں نے یہ عادت بنا لی ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں قرآن مجید کو کئی کئی دفعہ اول سے آخر تک تلاوت کریں، اگرچہ یہ ایک اچھی عادت ضرور ہے لیکن اس قرآن خوانی کا ہدف کسی قسم کے غور و فکر کے بغیر محض اس عظیم کتاب کی ورق گردانی نہیں ہونا چاہئے۔
بلکہ جب انسان اس ذکر حکیم، قرآن مجید کی کسی آیت کی تلاوت کرے، تو اسے ٹھہر کر اپنے آپ سے سوال کرنا چاہئے کہ اس آیت میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے اعتبار سے، وہ کہاں کھڑا ہے؟
اس طرح اس کے دل میں اس آیت مجیدہ کے اثر کی گنجائش نکلے گی اور یہ آیت مجیدہ اس کے کردار و گفتار میں تبدیلی کا موجب بنے گی۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

ان هذه القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد ، قيل يا رسول الله صل الله عليه وآله وسلم فما جلائها ؟ قال : تلاوة القرآن .

جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے اسی طرح دلوں کو بھی زنگ لگ جایا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ زنگ آلود دلوں کو صاف کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: قرآن مجید کی تلاوت۔

اس طریقے سے انسان اپنی نفسانی بیماریوں کا علاج کر سکتا ہے، اور اپنی شخصیت میں پائی جانے والی کمزوریوں کو بھی دور کر لیتا ہے، کیونکہ قرآن "شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ نُبُوْرًا" یعنی دلوں کی بیماری کے لیے شفا ہے۔

اسی طرح رمضان المبارک میں پڑھی جانے والی وہ دعائیں کہ جو آتمہ اطہار علیہم السلام سے مروی ہیں، جیسے دعائے سحر، دعائے افتتاح، روز و شب کی منتخب دعائیں سب کی سب روحانی تربیت کے وہ خزانے ہیں کہ جن سے انسان کی روح میں اپنی خواہشات اور نفسِ امارہ سے لڑنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اور ان کے سبب انسان کے اندر اپنی ذات کے ساتھ واضح موقف اپنانے، اپنی ذات اور نفس کی حقیقت کو کشف کرنے، اپنے آپ میں تبدیلی اور بہتری لانے، نیز گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کرنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔

اس طرح انسان خالق کی عظمت اور حقیقی زندگی کے راستے کے خطرات کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔ پھر انسان بغیر کسی پردے و حجاب کے بہت سے وجودی حقائق و واقعات کا سامنا کرتا ہے۔

پس انسان جب دعائے سحر کی تلاوت کرتا ہے کہ جسے ابو حمزہ ثمالی نے امام سجاد سے روایت کی ہے، تو اسے چاہئے کہ اس دعا کے ہر جملے کو اپنی ذات میں موجود کیفیت کی تعبیر سمجھے نہ یہ کہ کسی اور شخص کے اپنے پروردگار سے خطاب کے انداز میں اس دعا کی تلاوت کرے۔

ذات میں تفکر کے مواقع

انسان کے لئے غور و فکر اور اپنی ذات کی طرف رجوع کی سب سے زیادہ اہمیت تین پہلوؤں سے ہے۔
 ۱۔ انسان اپنے افکار و نظریات کی طرف رجوع کرے، اور ان میں حق و سچ کی مقدار کے بارے میں اپنے آپ سے سوال کرے، اگر تمام انسان اپنے افکار و نظریات اور تعلقات کی طرف رجوع کریں تو یقیناً وہ ان تمام افکار و نظریات اور تعلقات میں موجود انحرافات اور خطاؤں کو دور کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

جبکہ زیادہ تر لوگ عملی زندگی میں اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاَنَا عَلٰى الشِّرْهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۔^۱

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رسم پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، کے بیان پر عمل پیرا ہیں۔

حالانکہ انسان کو اپنے نفس کے بارے میں آزاد اور ذات کی نسبت قوی ہونا چاہئے اور جب وہ اپنے آپ میں کوئی خطا پائے تو اسے دور کرنے میں کسی قسم کے خوف اور تردد کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔

ذات کے بارے میں تامل و تفکر کن امور میں ضروری ہے؟

تین صورتوں میں انسان کے لئے اپنی ذات کی طرف رجوع اور غور و فکر کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔
پہلی صورت: انسان اپنے افکار و نظریات کی جانب رجوع کرے اور ان میں حق و سچ کی مقدار کے بارے میں اپنے آپ سے سوال کرے۔ پس اگر انسان اپنے افکار و نظریات اور سماجی تعلقات کی جانب توجہ دے تو یقیناً وہ ان افکار و نظریات میں موجود انحرافات اور غلطیوں کو دور کرنے کے قابل ہو جائے گا۔

دوسری صورت: انسان اپنی شخصیت کی بنیاد بننے والی نفسانی صفات کی طرف توجہ دے اور دیکھے کہ وہ بزدل ہے یا بہادر؟ جرات مند ہے یا متردد؟ سخت گیر ہے یا نرم خو؟ سچا ہے یا جھوٹا؟ صاف گو ہے یا بہانہ جو؟ سست ہے یا فعال؟ وغیرہ وغیرہ۔

پھر اس کے بعد ان سوالوں کا جواب لینے کے لئے انسان اپنے آپ سے چند سوالات پوچھے،

مثلاً، اگر میرے گھر کوئی فقیر آجائے تو میرا اس کے ساتھ سلوک کیا ہوگا؟

اگر بچے گھریلو سامان سے کھیلے تو میرا رد عمل کیا ہوگا؟

اگر میرے سامنے کوئی روڈ ایکسیدنٹ ہو جائے تو میں کیا کروں گا؟

اگر کسی عمومی جگہ پر کوئی میرے ساتھ بد تمیزی کرے تو اس وقت میرا رد عمل کیسا ہوگا؟

جب کبھی میری ذاتی مصلحت اور مفاد، عمومی مصلحت اور مفاد سے ٹکرا جائے تو اس وقت میرا فیصلہ کس کو مقدم کرنا ہوگا۔

انسان کے لیے اپنی ذات کی جانب توجہ کی اہمیت یہ ہے کہ ایسا کرنے کے بعد انسان یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ اپنی ہر ذاتی کمزوری اور خلل کو دور کرے گا، اور اپنے آپ کو ترقی اور تکامل کی جانب آگے بڑھائے گا۔

تیسری صورت: اجتماعی اور باہمی رویوں کی جانب نظر کرنا

انسان اس جانب توجہ دے کہ اس کا دوسروں کے ساتھ رویہ اور سلوک کیسا ہے۔ اپنے بیوی بچوں سے لیکر خدمت گزاروں، مزدوروں، رشتہ داروں، دوستوں، اور دیگر وہ تمام لوگوں تک کہ جن سے اس کا واسطہ پڑتا ہے یا جن سے اس کے تعلقات ہیں ان سے اس کا سلوک کیسا ہے؟

رمضان المبارک کا مہینہ مؤمن کے لئے اپنے اجتماعی سلوک کو بہتر بنانے کا سب سے بہترین موقع ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے کے درمیان موجود اختلافات اور نا اتفاقیوں کو دور کرنے اور ذاتی رنجشوں کو ختم کرنے کے لئے بھی رمضان المبارک ایک بہترین موقع ہے۔ بہت سی روایات نافقہ اس بات کی جانب توجہ دلاتی ہیں، بلکہ بعض روایات صریح اور واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ: انسان کے لئے خداوند متعال کی جانب سے عفو و مغفرت رکھی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ انسان اپنے اور دوسروں کے درمیان موجود اختلاف اور دوری کو ختم کر دے، خواہ غلطی دوسروں کی ہی کیوں نہ ہو چنانچہ امام علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

في اول ليلة من شهر رمضان يغل المردة من الشياطين ويغفر في كل ليلة سبعين الفا فاذا كان في ليلة القدر غفر الله بمثل ما غفر في رحب وشعبان وشهر رمضان الى ذلك اليوم الا رجل بينه وبين اخيه شحناء ، فيقول عز وجل : انظروا هؤلاء حتى يصبطلحوا^۱۔

رمضان المبارک کی پہلی رات کو سرکش شیاطین پابند رسن کر دئے جاتے ہیں، اور ہر رات ستر ہزار لوگ بخشے جاتے ہیں، جب شب قدر آتی ہے تو اس رات اتنے بندے بخشے جاتے ہیں جتنے ماہ رجب، شعبان اور رمضان کی اسی رات تک بخشے جا چکے ہوں، سوائے اس شخص کے کہ جس کی اپنے بھائی کے ساتھ عداوت و کدورت ہو، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان کی مغفرت ان کے آپس کی چپقلش ختم ہونے تک نہیں ہوگی۔

اگرچہ ان دونوں میں سے ایک ظالم اور دوسرا مظلوم ہی کیوں نہ ہو، وہ دونوں ایک دوسرے کے قطع تعلق اور رابطہ توڑنے کے گناہ میں شریک ہونگے، کیونکہ ان دونوں میں سے مظلوم کے لئے یہ ممکن تو تھا کہ اپنے بھائی کے لئے اپنے حق سے تھوڑا پیچھے ہٹ جاتا اور آپس کے اختلاف کو ختم کر دیتا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی حدیث ہے:

ما من مؤمنین اہتجرا فوق ثلاث الا برئت منہما فی الثالثہ ، فقیل لہ:

یا بن رسول اللہ: هذا حال الظالم فما بال المظلوم ؟ فقال علیہ السلام : وما

بال مظلوم لا یصیر الی الظالم فیقول : انا الظالم حتی یصطلحنا .^۱

کوئی دو مومن تین دن سے زیادہ آپس میں اختلاف کی وجہ سے جدا نہیں رہیں گے، سوائے

اس کے کہ تیسرے دن میرا ان سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ یا بن رسول

اللہ! یہ تو ان دونوں میں سے ظالم کے بارے میں ہوا، مظلوم کے بارے میں آپ کیا

فرماتے ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مظلوم ایسا کیوں نہیں کرتا کہ ظالم کے پاس جا کر اسے

کہے کہ میری غلطی تھی؟ ہننا کہ ان کے درمیان صلح قائم ہو۔

کس قدر واضح دعوت ہے اجتماعی مصالحت کی جانب، اگر رمضان المبارک کے ایام میں روزہ کے نتیجے

میں مومنین کی آپس میں صلح قائم ہو تو یہ روزوں کا کتنا بڑا نتیجہ اور ثمرہ ہے، اور ماہ مبارک رمضان میں

اللہ تعالیٰ کی ذات کی جانب سے مغفرت کے حصول کے لئے اختلافات کو بھلانے اور آپس میں صلح قائم

کرنے والے لوگوں کے دل کتنے بڑے اور کشادہ ہیں، ایسے مواقع پر انسان کو پاک صاف دل، اور نیک

نیکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس بہت خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس مقدس مہینے کے مبارک لمحات و

پاکیزہ ماحول سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی ذات کی جانب توجہ کرنے، اپنے عیوب و خطاؤں کی اصلاح کرنے، اپنی شخصیت میں موجود نقائص اور کمزوریوں کو دور کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ ایسے خوش نصیب لوگ اس موقع پر اپنی آراء و افکار پر نظر ثانی کرتے ہیں، ان کا بغور جائزہ لیتے ہیں اور اپنی ذاتی صفات کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں، تاکہ اپنے اندر موجود منفی اور مثبت نکات سے آشنائی حاصل ہو، اور اپنے آس پاس کے لوگوں سے بہترین تعلقات قائم کرنے کے لئے اپنے اجتماعی سلوک کو بہتر سے بہتر کر سکے۔ پس اپنی ذات کی جانب اس رجوع کرنے اور اپنی خطاؤں سے پیچھا چھڑانے کے اس عمل کا فائدہ یہ ہو گا کہ انسان رمضان المبارک کے اس مقدس مہینے میں خداوند تعالیٰ کی جانب سے مغفرت کی سند حاصل کر لے گا۔ لیکن اگر انسان اپنی حالت پر اسی طرح برقرار رہے تو وہ اپنے آپ کو اس عظیم موقع سے محروم کر دے گا اور رمضان المبارک کا مہینہ اس شخص کی شخصیت اور طرز زندگی پر کسی قسم کا مثبت اثر ڈالے بغیر گزر جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کی جانب سے عطا ہونے والی مغفرت سے محروم کر دے گا۔ چنانچہ ایسے ہی شخص پر رسول گرامی اسلام کی یہ حدیث صادق آئے گی:

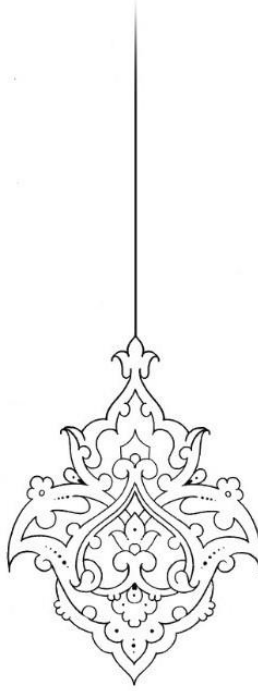
ان الشقی من حرم غفران الله في شهر العظيم.

تحقیق شقی وہ شخص ہے کہ جو رمضان المبارک کے مہینے میں خدا کی مغفرت حاصل کرنے

سے محروم رہا۔

واقعاً جو شخص اس موقع سے استفادہ نہ کرے اور اس پاکیزہ ماحول کو غنیمت سمجھ کر بھرپور فائدہ نہ اٹھائے

وہ یقیناً شقی ہے۔



رمضان المبارک کی فضیلت

سال بھر میں انسان جتنا وقت گزارتا ہے، ان میں سب سے افضل وقت اور زمانہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے، کہ جسے اللہ تعالیٰ نے باقی تمام زمانوں اور اوقات میں سے خیر اور اپنے فضل و کرم کے ساتھ مختص کیا ہے، اسی مہینے میں اللہ تعالیٰ نے شب قدر کو قرار دیا کہ جسے ہزار مہینوں سے بہتر بنایا، اور اسی مہینے میں قرآن مجید کو نازل فرما کر اس مہینے کو وحی و رسالت کے نزول کے لئے منتخب کیا، جبکہ نزول قرآن سے پہلے تورات و انجیل اور زبور بھی اسی مقدس مہینے میں اتارے گئے۔

اس مقدس مہینے کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ رسول خدا ﷺ سے مروی ہے:

سید الشہور شہر رمضان^۱۔

رمضان المبارک تمام مہینوں کا سردار ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ سے روایت ہے:

أيها الناس إنه قد أقبل إليكم شهر الله بالبركة والرحمة والمغفرة ، شهر هو عند الله أفضل الشهور، أيامه أفضل الأيام، ولياليه أفضل الليالي ، وساعاته أفضل الساعات ، هو شهر دعيتم فيه إلى ضيافة الله ، وجعلتم فيه من اهل كرامة الله^۲۔

اے لوگو! تمہاری طرف رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ آ رہا ہے۔ جس میں گناہ معاف ہوتے ہیں۔ یہ مہینہ خدا کے ہاں سارے مہینوں سے افضل و بہتر ہے۔ جس کے دن دوسرے

۱۔ کنز العمال، ج ۸، ص ۴۶۳، رقم ۲۳۶۸

۲۔ بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۳۵۶

مہینوں کے دنوں سے بہتر، جس کی راتیں دوسرے مہینوں کی راتوں سے بہتر اور جس کی گھڑیاں دوسرے مہینوں کی گھڑیوں سے بہتر ہیں۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں حق تعالیٰ نے تمہیں اپنی مہمان نوازی میں بلایا ہے

اس مہینے کی خصوصیات کو تاکید کے ساتھ واضح کرنے اور اسے دیگر مہینوں سے ممتاز بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں لوگوں پر روزے واجب قرار دیئے تاکہ لوگ اس مہینے میں ایک خاص ماحول اور خاص قسم کے پروگرامز کے ساتھ زندگی کے شب و روز گزاریں۔ اس طرح انہیں اس مہینے کے بلند مرتبہ اور عظیم مقام کی وجہ سے ترقی و تکامل کا راستہ بہتر انداز میں طے کرنے میں مدد ملے گی۔

روزہ کے فوائد

صحت کے نقطہ نظر سے ایک طرف تو روزہ انسان کے بدن کو جسمانی طور پر غذا وغیرہ کو ہضم کرنے کے کام میں آرام و راحت کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف یہ جسم کے اندر ذخیرہ شدہ غذا کو استعمال کرنے اور بدن میں جمع شدہ زہریلے مواد کو جسم سے باہر نکالنے کا موقع دیتا ہے۔ اور انسان کے بدن میں کیمیائی عمل کے نتیجے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے عمل کو مزید تیز اور فعال بناتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کل بعض طبی ماہرین روزہ کو خاص اہمیت دیتے ہیں اور اس کے ایسے طبی فوائد بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے جسم میں اضطراب اور بعض پیچیدہ امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کئی علمی کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے کتاب "التداوی بالصوم" روزہ کے ذریعہ علاج، جسے ھ۔م۔ شیلٹن نے تالیف کی اور اس کا عربی زبان میں ترجمہ ۱۹۸۷م میں دمشق بیروت سے دار الرشید نے شائع کیا تھا۔

اسی طرح اگر ہم روزہ کا نفسیاتی اعتبار سے جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ روزہ انسان کی رغبت اور خواہشات پر قابو پانے کے لیے تربیتی کورس کی مانند ہے۔ کیونکہ روزے کے دوران انسان اپنی رضا و رغبت سے

تمام کھانے پینے کی چیزوں اور روزہ توڑنے والی اشیاء سے اجتناب برتنا ہے، جبکہ ان چیزوں کی جانب اس کی رغبت موجود ہوتی ہے، بلکہ بعض اوقات تو اسے ان چیزوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ یوں اسے اپنے نفس اور خواہشات پر قابو پانے کی تربیت اور حوصلہ ملتا ہے۔

اگر ہم روزہ کے اجتماعی فوائد کو دیکھیں، تو روزہ کی حالت میں انسان فقراء و مساکین کی بھوک و پیاس کو محسوس کر سکتا ہے۔ اور غریبوں و محتاجوں کی مشکلات و پریشانیوں کا ادراک کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ہم روزہ کے روحانی فوائد کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی خواہشات اور رغبت سے چشم پوشی اور رمضان کریم کے مبارک ماحول کی اثر پذیری کا نتیجہ روحانی پاکیزگی اور بلند معنوی نشاط کی شکل میں نکلتا ہے۔

البتہ یہ فوائد اور ان جیسے بیشتر ثمرات تب حاصل ہو سکتے ہیں کہ جب ان کے بارے میں آگاہی اور ان کی جانب متوجہ ہو کر روزہ رکھا جائے، نیز روزہ جیسے مبارک فریضے اور ماہ رمضان المبارک کے مقدس ماحول کو بغیر کسی رکاوٹ، اور روزہ کے آثار کو سلب کرنے والی کسی بھی حالت کو اپنائے بغیر، اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کا موقع دیا جائے۔

ایسے میں جو چیز اس سلسلے میں قابل افسوس دکھائی دیتی ہے وہ بعض ایسی منفی عادات کلپنا اور غلط حالات کا ظہور پذیر ہونا ہے کہ جو روزہ کے آثار کو کم کرتے ہیں اور رمضان المبارک کے مقدس مہینے سے مکاحقہ استفادے کو گھٹا دیتے ہیں۔

یہاں پر ان دو عادتوں کا ذکر بہت ضروری ہے کہ جو زیادہ تر روزہ رکھنے والوں میں پھیلتی جا رہی ہیں، اور انہی عادتوں کی وجہ سے روزہ رکھنے والے اس مقدس مہینے کی برکات و فیوضات سے بھرپور استفادہ کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

۱۔ سستی و کاہلی

جب انسان کے پاس بہت زیادہ قیمتی اور اہم وقت موجود ہو، تو ضروری ہے کہ اس وقت کو بہترین اعمال اور منظم ترین پروگراموں میں صرف کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قیمتی وقت غیر اہم اور فضول کاموں میں صرف ہو۔ رمضان المبارک مہینہ انسان کے لئے سال بھر کے ایام میں سب سے قیمتی اور اہم مہینہ ہے، پس انسان کو رمضان المبارک کے مہینے میں اس کی ہر گھڑی، ہر لمحہ اور ہر ساعت کے ثمرات سمیٹنے کے لیے تگ و دو کرنی چاہیے، جس طرح کلام رسول خدا ﷺ میں وارد ہوا ہے۔

ایامہ أفضل الأيام، ولیالیہ افضل الليالی، وساعاتہ افضل الساعات.

اس مہینے کے ایام بہترین ایام ہیں، اس کی راتیں بہترین راتیں ہیں اور اس کی ساعات بہترین ساعات ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان المبارک کو بہترین اعمال اور اہم ترین پروگرامز سے بھرپور ہونا چاہئے۔ اور اس مہینے میں انسان کی کارکردگی اور فعالیت دیگر مہینوں کی نسبت زیادہ ہونی چاہئے۔ یقیناً کبھی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں ماہ مبارک رمضان کے دوران بجالانے کے لیے وسیع پیمانے پر اعمال و عبادات وارد ہوئی ہیں۔

❖ اس مہینے میں بہت سے اذکار و نمازیں مستحب ہیں۔

❖ اس مہینے کے دنوں اور راتوں کے لئے بہت ساری مختلف دعائیں وارد ہوئی ہیں۔ جیسا کہ امام

علیؑ فرماتے ہیں:

علیکم فی شہر رمضان بکثرة الإستغفار والدعاء.

رمضان کے مہینے میں تمہارے لیے ضروری ہے کہ کثرت کے ساتھ استغفار اور دعا کیا کریں۔

❖ جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث میں بیان ہوا ہے:

لکل شیء ربيع، و ربيع القرآن شهر رمضان

ہر چیز کی ایک بہار ہے (اور) قرآن کی بہار رمضان کا مہینہ ہے۔

پس اگر دیکھا جائے تو سماجی اور اجتماعی اعتبار سے رمضان المبارک میں اجتماعی خدمات اور فعالیت کو بھرپور انداز میں انجام دینے کے سلسلے میں دینی نصوص میں بہت تاکید ملتی ہے، جیسا کہ ہم اس مقدس مہینے کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبوں میں پڑھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وتصدقوا علی فقرائکم ومساکینکم، ووقروا کبارکم، وارحموا صغارکم، وصلوا ارحامکم... وتحننوا علی أیتام الناس یتحنن علی ایتامکم.^۱

اور صدقہ دو اپنے فقراء و مساکین کو، اپنے بڑوں کے وقار کا خیال کرو، اپنے چھوٹوں پر رحم کرو،... لوگوں کے یتیموں کے ساتھ شفقت سے پیش آؤ تاکہ تمہارے یتیموں پر شفقت کی جائے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من فطر منکم صائماً مؤمناً فی الشهر کان له بذالك عند الله عتق نسمة
ومغفرة لما مضى من ذنوبه.^۲

۱۔ محمد بن حسن حر عاملی، وسائل الشیعة، ج ۱۰، طبع اول، ۱۹۹۳ھ، مؤسسۃ آل البیت لاجیاء التراث بیروت، ص ۳۱۳، رقم ۱۳۴۹۴۔۲۰

۲۔ حوالہ سابق

تم میں سے جو شخص اس مہینے میں ایک روزہ دار مؤمن کو افطار کرائے، اسے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرماتا ہے اور اس کے تمام گزشتہ گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

من افطر صائئاً فله مثل أجره^۱.

جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اسے اسی روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا۔

مندرجہ بالا احادیث اور ان جیسی دیگر بہت سی احادیث کا مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک میں انسان عبادت اور اجتماعی امور کے حوالے سے بھرپور پروگرام کے ساتھ اس مقدس مہینے سے استفادہ کرے۔ اس مہینے میں انسان کے اوقات، عمل اور تحریک سے معمور ہونا چاہئے، کیونکہ یہ مہینہ تحریک و نشاط اور عمل کا مہینہ ہے۔

ہمارے موجودہ معاشرے میں اکثر لوگ رمضان المبارک کو سستی اور بیکاری کا مہینہ بنا لیتے ہیں، جس کے سبب رمضان المبارک میں تعلیمی اداروں اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں حاضری کم ہو جاتی ہے، اور لوگوں کی کثیر تعداد دن کے اوقات کو صرف سونے اور آرام کرنے میں اس لیے گزار دیتی ہیں، کیونکہ وہ روزے سے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا روزہ سستی اور بیکاری کی دعوت دیتا ہے؟ یا پھر کیا یہ روزہ کام اور نشاط کی جگہ لے لیتا ہے، کہ جس کے سبب انسان اپنی حرکت و نشاط کو روک لیتا ہے، تاکہ روزہ رکھ سکے؟

بعض ریسرچ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بعض اسلامی معاشروں میں رمضان المبارک کے مہینے میں کام کرنے کی شرح کافی حد تک کم ہو جاتی ہے۔ جبکہ ہماری اسلامی تاریخ میں اسلام و کفر کے درمیان بہت سی

۱۔ محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن ترمذی، ج ۱، طبع اول ۱۳۲۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۵۶۷، رقم ۸۰۷

فیصلہ کن جنگیں اسی ماہ مبارک رمضان میں ہوئی ہیں، کہ جن میں مسلمانوں نے شجاعت و بہادری کے حیران کن کارنامے انجام دیئے۔ غزوہ بدر کبریٰ سنہ ۲ ہجری میں اس پہلے رمضان کے مہینے میں ہوا کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اوپر روزے واجب قرار دیئے۔ اسی طرح فتح مکہ بھی سنہ ۸ ہجری کو رمضان المبارک ہی کے مہینے میں ہوئی، سنہ ۵۳ ہجری کو رمضان المبارک ہی کے مہینے میں مسلمانوں نے جزیرہ رودس کو فتح کیا اور سنہ ۹۱ ہجری میں موسیٰ بن نصیر کی قیادت میں ثعوراندلس کو فتح کیا اسی طرح اس مقدس مہینے میں سوریا اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر قابض فرانس کے مسیحیوں کو مسلمان فوج کے ہاتھوں شکست ہوئی،

پس یہ حقائق واضح کرتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد رمضان المبارک میں اپنے تمام روزمرہ کاموں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ روزہ بھی رکھا کرتے تھے اور رمضان المبارک کے دوران کوئی بھی کام صرف روزہ کی وجہ سے متوقف نہیں ہوتا تھا۔ پھر نجانے کیوں اب یہ منفی رویہ لوگوں میں پنپنے لگا کہ اکثر لوگ رمضان المبارک کا پورا دن سو کر گزارتے ہیں۔

رمضان المبارک کی راتوں کو اچھے اعمال اور عبادات میں مصروف رہتے ہوئے جاگ کر گزارنا بہت اچھی بات ہے، لیکن اکثر لوگ ان راتوں کو بے مقصد بیٹھکوں اور غیر مفید پروگراموں میں گزارتے ہیں کہ جن کا مقصد صرف ٹائم پاس کرنا ہوتا ہے، اور پھر دن کا زیادہ حصہ کسی بھی کارآمد مصروفیت کی بجائے سو کر گزارتے ہیں۔

جبکہ اگر صحت کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو روزہ رکھ کر دن کے وقت سو جانے سے بدن میں روزے سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ طبی مصادر و ذرائع یہ بھی بتاتے ہیں کہ غذا کھانے کے کچھ دیر بعد جسم کے اعضاء کی حرکت (روزے کے دوران) جسم کو طاقت پہنچانے والے

تمام مرکبات کے اندر آکسائیڈ کے عمل کو فعال بنا دیتی ہے۔ اسی طرح چربی پگھلانے کے عمل کو بھی تیز تر بنا دیتی ہے، اور جگر میں گلو کوز بنا نے کے عمل کو بھی تیز تر بنا دیتی ہے، جو کہ چربی کے پگھلنے سے پیدا ہونے والے کو لیسٹرول اور لاکٹیک سے بنتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالجواد الصاوی کی معروف کتاب "روزہ ایک علمی معجزہ" میں ایک خاص عنوان "روزہ کی حالت میں تحرک افضل ہے یا سکون" کے تحت اس موضوع پر بہت عمدہ گفتگو کی گئی ہے۔^۱

اس کے علاوہ رمضان میں دن کو سو جانا روزہ کے اہداف میں سے اکثر کو ضائع کر دیتا ہے۔ کیونکہ سو جانے پر روزہ دار نہ بھوک کو محسوس کرتا ہے، نہ اس کی رغبت و شہوات ابھرتی ہیں کہ جن سے مقابلہ کیا جائے، پس سوئے ہوئے روزہ دار کے بارے میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھوک کو محسوس کر سکتا ہے، یوں اسے فقیر اور نادار لوگوں کی مشکلات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ روزہ رکھ کر وہ اپنی شہوات و رغبت پر غلبہ پالتا ہے کہ جس کے نتیجے میں اسے تقویٰ کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔؟ چنانچہ اگر انسان سارا سال دن کو کھانا پیتا ہے اور رات کو سوتے ہوئے ان کاموں سے رکا رہتا ہے، تو رمضان میں یہ پروگرام اس کے برعکس ہو جاتا ہے، یعنی اب وہ رات کو کھانا پیتا ہے اور دن کو کھانے پینے سے رک کر سو جاتا ہے، پس ان دونوں حالتوں میں فرق کیا ہے؟

۲۔ کھانے پینے کی بے مہار خواہش

روزہ کے ظاہری فوائد میں سب سے واضح اور روشن فائدہ کھانے پینے کی خواہش پر کنٹرول حاصل کرنا ہے، کیونکہ انسان کے لئے کھانے پینے کے اعتبار سے دو صورتیں قابل تصور ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر عبدالجواد الصاوی، الصیام معجزہ علمیہ، طبع اول، ۱۴۱۳ھ، دارالقبلیۃ الاسلامیہ، ص ۱۱۳-۱۱۳

پہلی صورت: جسم کو بہر حال غذا کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ جسم زمین کے عناصر (مٹی، پانی اور ہوا) کے ذرات سے بنا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے نباتات اور حیوانات کو انسان کی غذا کے طور پر مسخر کیا ہے۔ انسان کی جسم ان عناصر و مرکبات کو استعمال کرتا ہے تاکہ اس کی زندگی اور نشوونما برقرار رہے۔ لیکن بدن کی اس ضرورت کو حاصل کرنے کے لئے غذا کی تھوڑی مقدار ہی کافی ہے۔ جیسا کہ رسول گرامی اسلام ﷺ سے مروی ہے:

حسب ابن آدم لقیما یقمن صلبہ^۱

ابن آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں کہ جن سے اس کی کمر قائم (سیدھی) رہے۔

دوسری صورت: رغبت اور شہوت کی حالت، اس حالت میں انسان مختلف انواع و اقسام کی غذاؤں سے لذت حاصل کرتا ہے، اور مختلف رنگ کے کھانوں کا اسے شوق ہوتا ہے پس اس رغبت اور شوق کو پورا کرنے کے لئے انسان اپنی جسمانی ضرورت سے زیادہ کھانے لگتا ہے، بلکہ بعض اوقات کھانے کی مقدار یا نوعیت کے اعتبار سے جسم کے لئے نقصان دہ کھانا کھاتا ہے۔ یہاں سے انسان اور حیوان ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں، کیونکہ حیوان کی رغبت اور طلب اس کے بدن کی ضرورت اور حاجت کے مطابق ہوتی ہے، جبکہ انسان کی رغبت و چاہت اس کی جسمانی ضرورت سے بہت زیادہ ہے، چنانچہ جب انسان اس رغبت و خواہش کی پیروی کرے اور کھانے پینے میں اپنے آپ کو آزاد رکھے تو یہ عمل اس کے لئے بہت سے امراض و کمزوریوں کا سبب بنے گا۔ اسی وجہ سے علم طب کے ماہرین کھانے پینے کے معاملے میں عدم توازن اور افراط سے منع کرتے ہیں۔ جس طرح دینی تعلیمات میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے، چنانچہ رسول خدا ﷺ سے روایت کی گئی ہے:

ایاکم وفضول المطعم فانه یسم القلب بالفضله.

زیادہ کھانے سے بچو کیونکہ زیادہ کھانے سے دل زہر آلود ہو جاتا ہے۔

امیر المؤمنین علیؑ فرماتے ہیں:

من کثر اكله قلت صحته.

جس کا کھانا زیادہ ہو اس کی صحت کم ہو جاتی ہے۔

انسان کی زیادہ تر بیماریوں کی وجہ کھانے پینے کی رغبت و چاہت کی پیروی کرنا ہے۔ خصوصاً آج کل کے دور میں میڈیا اور تشہیری ذرائع کی مدد سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ چیزیں استعمال کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور غذائی اشیا بنانے والی کمپنیاں کوشش کرتی ہیں کہ مختلف غذائی اشیا کی بابت لوگوں کی رغبت کو ابھارا جائے، گو یا بعض لوگوں کے نزدیک کھانے پینے کے نتیجے میں بدن کو حاصل ہونے والی طاقت کو صرف کرنے کے لئے کسی قسم کی حرکت و کوشش کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

پس رمضان المبارک کے واجب روزے انسان کی توجہ اس بات کی جانب مبذول کرانے کے لئے بھی ہوتے ہیں کہ انسان اپنے کھانے پینے کے معاملات میں اپنی رغبت و چاہت پر کنٹرول کرے۔

لیکن بد قسمتی سے ہمارے زیادہ تر معاشروں میں جو صورت رائج ہے اس کے مطابق رمضان المبارک میں اشیا خورد و نوش کا استعمال باقی مہینوں کی نسبت کہیں زیادہ کیا جاتا ہے۔

گویا یہ مقدس مہینہ کھانے پینے اور کھانے کی خواہشات کی پیروی کا مہینہ بن کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ جو نہی افطار کا وقت ہو جاتا ہے تو انسان افطار کے دسترخوان پر اس طرح سے ٹوٹ پڑتا ہے کہ گویا وہ روزہ سے پیٹ کا انتقام لینا چاہتا ہو۔

شوگر اور امراض قلب میں اضافہ

ہمارے معاشروں میں لوگوں کی اقتصادی طاقت کی موجودگی اور کھانے پینے کی خواہش کی اندھا دھند پیروی کے نتیجے میں بہت سی خطرناک بیماریوں کے پھیلاؤ میں اضافہ ہو رہا ہے، جو غالباً غذائی نظام کو کمزور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ قاہرہ میں ہونے والی بین الاقوامی شوگر کانفرنس میں یہ اعلان کیا گیا کہ شوگر کے پھیلاؤ والے ممالک میں سعودی عرب سرفہرست ہے اور سعودی عرب میں نولاکھ شوگر کے مریضوں کی تشخیص ہوئی ہے جو کہ کل آبادی کا تقریباً ۱ فیصد ہے۔

اسی طرح حالیہ دنوں میں ظہران میں منعقد ہونے والی کانفرنس "شوگر اور مستقبل کے امکانات" میں پیش کی گئی تحقیقات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شوگر کے نتیجے میں گردے فیل ہونے، ہارٹ ایکٹک... وغیرہ میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔

صرف ایک سال میں سعودی عرب میں ۱۳ ہزار لوگوں کے اعضاء شوگر کی وجہ سے کاٹنے پڑے اور ان دنوں ریاض میں روزانہ اعضاء کاٹنے کے ۲۶ آپریشن ہو رہے ہیں، جو کہ عالمی رینڈنگز کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔

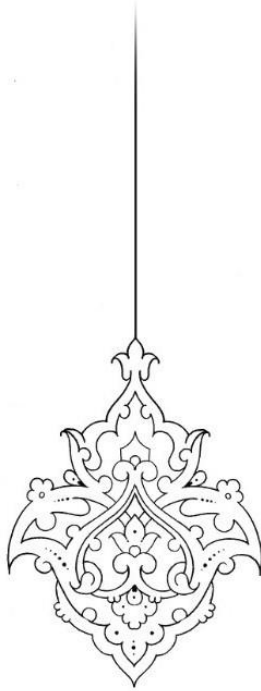
عالمی ادارہ صحت کی جانب سے نشر ہونے والی رپورٹ کے مطابق سعودی عرب میں شوگر کے مریضوں میں سالانہ اضافے کی شرح ۴ فیصد ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ سعودی عرب میں سالانہ ۳۶ ہزار نئے لوگ اس مرض کے شکار ہو رہے ہیں۔ اور سعودی عرب کا مشرقی علاقہ اس مرض کا شکار ہونے والوں میں شاید سرفہرست ہے۔

شوگر کے کیسز بڑھنے کے ساتھ ساتھ امراض قلب میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جو کہ انسان کے جسم میں کو لیسٹروں اور چربی کے بڑھنے کا نتیجہ ہے۔

پس ہمیں اپنے طرز زندگی اور کھانے پینے کے نظام اور طور طریقوں پر نظر ثانی کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ اپنی صحت اور آئندہ زندگی کی قیمت پر کھانے پینے کی بے مہار رغبت و شہوت کی پیروی کرنا کسی طور بھی درست عمل نہیں ہے۔

ایسے میں ہمیں اپنے آپ سے یہ سوال ضرور پوچھنا چاہئے کہ کیا ہم کھانے کے لئے زندہ ہیں یا زندہ رہنے کے لئے کھاتے ہیں۔ اور اگر ہم زندہ رہنے کے لئے کھاتے ہیں تو پھر ہمارا کھانا زندگی اور صحت کے ساتھ سازگار ہونا چاہئے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں ہمیں فرضہ روزہ سے استفادہ کرتے ہوئے کھانے پینے کے معاملات میں اپنے آپ پر کنٹرول کی تربیت حاصل کرنی چاہئے۔



لیلیۃ القدر، تغیر و تبدل کے فیصلوں کی رات

اللہ تعالیٰ نے شب قدر کی صفت یوں بیان کی ہے کہ یہ رات "خیر من الف شہر" ہزار راتوں سے زیادہ افضل ہے، اور یہ رات تقدیر سازی کی رات ہے۔ "فیہا یفرق کل امر حکیم" اس رات میں ہر حکیمانہ امر کی تفصیل وضع کی جاتی ہے۔

اسی رات اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان اور حیات سے متعلق تمام بنیادی فیصلے کئے جاتے ہیں۔ ابن عباس سے روایت ہے:

إن الله يقدر ما يكون في كل السنة من مطر ووزق وإحياء وإماتة إلى مثل هذه الليلة من السنة الآتية..^۳

شب قدر کو اللہ تعالیٰ اس سال سے لیکر آنے والے سال تک کے دوران ہونے والی بارشوں، لوگوں کو ملنے والی رزق، زندگی اور موت وغیرہ کا فیصلہ فرماتا ہے۔

امام علی ابن موسی الرضا علیہ السلام سے مروی ہے:

ليلة القدر يقدر الله عزوجل فيها ما يكون من السنة إلى السنة، من حياة أو موت أو خير أو شر أو رزق.^۴

شب قدر میں خداوند متعال آئندہ سال تک کی تمام زندگی، موت، خیر و شر اور رزق وغیرہ کا فیصلہ فرماتا ہے۔

۱۔ سورۃ القدر: ۴

۲۔ سورۃ الدخان ۴

۳۔ فخر رازی، تفسیر الکبیر، ج ۳۲، طبع اول ۱۴۱۸ھ، مؤسسہ دارالاسلام بیروت، ص ۲۸

۴۔ عبد علی بن محمد عروسی الحمیزی، تفسیر نور الثقلین، ج ۵، طبع اول ۱۴۲۲ھ، مؤسسہ التاريخ العربی بیروت، ص ۶۳۰

پس شب قدر حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والے سال میں لوگوں کی تقدیر سازی کی رات ہے، اور یہ رات اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے فیصلے صادر ہونے کی رات بھی ہے۔ لہذا انسان کے نزدیک بھی یہ رات بڑے اور بنیادی فیصلے کرنے کی رات ہونی چاہئے۔

یہ کتنا قابل قدر حسن اتفاق ہو گا کہ انسان اپنے بارے میں بنیادی اور بڑے فیصلے کرنے کے لئے اس مبارک رات کا انتخاب کرے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی تقدیر کے فیصلے کرنے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ نیز اس رات کی عظیم روحانی کیفیت بھی جب شامل حال ہو جاتی ہے تو انسان کے بارے میں کئے گئے بڑے اور بنیادی فیصلوں کے درست اور بہتر ہونے کا امکان بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس رات انسان کے فیصلوں کا دائرہ اتنا وسیع ہونا چاہئے کہ جو ہر اس چیز کو شامل کرے کہ جس کو انسان کی زندگی میں اچھائی اور ثابت قدمی کے حوالے سے کوئی بھی کردار ہو نیز یہ فیصلے انسان کی دنیوی و اخروی آرزوں کے مطابق ہونے چاہئیں۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے لئے آنے والے سال کا لائحہ عمل اور نظام زندگی ترتیب دے اور پھر شب قدر میں بلکہ ان تمام راتوں میں کہ جن کے بارے میں شب قدر ہونے کا احتمال موجود ہو، اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کرے کہ وہ اسی خاص نظام زندگی پر برقرار رہے گا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کرے کہ خداوند متعال اپنی قضا و قدر کو اس کی نیک تمناؤں اور آرزوں کے مطابق قرار دے دے۔

استغفار کا فلسفہ

اس رات کے اہم ترین اعمال میں سے ایک عمل استغفار ہے اور اس رات کے مستحبات میں سے ۷۰ بار اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کرنا بھی ہے۔

امیر المؤمنین ؑ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

علیکم فی شہر رمضان بکثرة الإستغفار والدعاء ، فأما الدعاء فیدفع
البلاء عنکم ، وأما الإستغفار فتمحی بہ ذنوبکم.^۱

رمضان مبارک کے مہینے میں تمہیں کثرت سے استغفار و دعا کرنی چاہئے، کیونکہ دعائے تم سے
بلاؤں کو نال دیتی ہے، جبکہ استغفار سے تمہارے گناہ مٹائے جاتے ہیں۔
رسول اکرم ﷺ نے اس شخص کی مذمت کی ہے جو اس عظیم مہینے میں اپنے آپ کو مغفرت الہی سے
محروم رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الشقی من حرم غفران الله في شهر العظيم.

شقی ہے وہ جو اس عظیم مہینے میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

من ادرك شهر رمضان فلم يغفر له فأبعده الله-

جو شخص رمضان المبارک کو پائے اور بخشا نہ جائے، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے دور ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

من لم يغفر له في شهر رمضان ففي أي شهر يغفر له-

جو شخص ماہ مبارک رمضان میں نہیں بخشا گیا، وہ پھر کس مہینے میں بخشا جائے گا؟

رمضان المبارک ایک روحانی مدرسہ اور تربیتی کورس ہے جس سے آدمی، انسان، بن کر نکلتا ہے اور وہ اس
مہینے میں اپنے آپ کو خیر و خوبی کی صفات سے متصف اور اچھے اخلاق سے مزین کرتا ہے تاکہ باقی پورا
سال ان صفات و اخلاق پر عمل پیرا رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام جو کثرت استغفار پر بے حد زور دیتا ہے وہ اس لئے بھی ہے کہ استغفار کی
ضرورت اور اہمیت اس کی پوری زندگی میں جاری و ساری رہتی ہے۔

رسول گرامی اسلام ﷺ فرماتے ہیں:

أكثرُوا من الإِسْتِغْفَارِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يَعْلَمْكُمْ إِلَّا وَهُوَ

يُرِيدُ أَنْ يَغْفِرَ لَكُمْ.^۱

کثرت سے استغفار کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں استغفار کرنا سکھایا ہی اس لئے ہے کہ وہ تمہیں بخشنا چاہتا ہے۔

امام جعفر الصادق عليه السلام فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ.^۲

رسول خدا ﷺ بغیر کسی گناہ کے، روزانہ ستر دفعہ استغفار کیا کرتے تھے۔

یہ بات بھی ہمیں یاد رکھنی چاہئے کہ حقیقی استغفار صرف زبان سے استغفر اللہ کہنا اور زبان پر ان کلمات کا جاری کرنا نہیں ہے، بلکہ استغفار کرنے والے کے دل و جان میں ان ظاہری کلمات کو یوں اترا چاہئے کہ یہ کلمات انسان کے لئے بہت گہرے اور بڑے فیصلے لینے کی بنیاد بنیں۔ استغفار کے ان کلمات کو حقیقت و صداقت کے قالب میں ڈھالنے کے لئے دو ضروری اقدام کی ضرورت ہوتی ہے۔

پہلا قدم: خطا اور غلطی کو سمجھنا اور پھر اس کا اقرار کرنا کہ یہ غلطی ہے کہ جس کو جاری رکھنا جائز نہیں ہے۔

دوسرا قدم: اس گناہ کو چھوڑنے اور اس سے پیچھا چھڑانے کا مصمم ارادہ کرنا ہے۔ کیونکہ جب آپ خطا اور معصیت کو پہچان لیتے ہیں، اور پھر اس کو ترک کرنے اور اس سے اپنا دامن بچانے کا مصمم ارادہ کر لیتے ہیں، تب آپ اپنے اس دلی فیصلے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

استغفر الله ربي واتوب اليه.

۱۔ میزان الحکمة، ج ۷، ص ۲۳۷

۲۔ وسائل الشیعة، ج ۱۶، ص ۸۵، رقم ۲۱۰۳

میں اپنے پروردگار اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں اور میں اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ مذکورہ بالا معنی میں استغفار ایک خالص ذکر ہی نہیں بلکہ یہ انسان کا ایک حالت سے نکل کر اس سے افضل اور احسن حالت کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے۔ یوں استغفار انسان کے امراض اور کمزوریوں کا علاج قرار پاتا ہے۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ألا أدلكم على دوائكم ودوائكم؟ ألا إن دوائكم الذنوب ودوائكم
الإستغفار^۱.

کیا میں تمہیں تمہاری بیماری اور اس کی دوا نہ بتاؤں؟ آگاہ رہو تمہاری بیماری تمہارے گناہ ہیں اور تمہاری دوا طلب مغفرت (استغفار) ہے۔

اگر ہم رسول خدا سے یہ پوچھیں کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کس قسم کا استغفار ہے کہ جسے آپ نے ہماری دوا قرار دیا ہے تو رسول اکرم ﷺ ہمیں یہی جواب ارشاد فرمائیں گے، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ میں ہے:

خیر الإستغفار عند الله الإقلاع والندم.

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین استغفار گناہ کو چھوڑنا اور گزشتہ گناہوں پر پشیمان ہونا ہے۔ لیکن اگر استغفار صرف (زبان کی حرکت) لفاظی لسانی ہو اور یہ کسی قسم کی داخلی تبدیلی یا گناہوں کو چھوڑنے کے ارادے سے نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ استغفار ممکن ہے ایک گناہ میں تبدیل ہو جائے کہ جس پر انسان سے سوال ہوگا۔

اس حقیقت کی جانب اشارہ کرنے کے لئے امیر المؤمنین ؑ کا یہ قول کس قدر بلیغ ہے کہ

الإستغفار مع الإصرار ذنوب مجددة^۲.

گناہ پر اصرار کے ساتھ استغفار بار بار انجام پانے والے گناہ ہیں۔

۱- میزان الحکمة، ج ۷، ص ۲۳۸

۲- حوالہ سابق

کیونکہ ایسا استغفار حقیقت میں ایک زبانی وعدہ ہے جبکہ دل سے اس وعدے پر عمل نہ کرنے کا ارادہ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ انسان کے دلوں کے راز خوب جانتا ہے۔

حضرت امام علی ابن موسی الرضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

من استغفر بلسانہ ولم یندم بقلبہ فقد استہزأ بنفسہ^۱۔

جو شخص زبان سے استغفار کرے جبکہ اس کا دل گناہ پر پشیمان نہ ہو تو گویا وہ اپنا مذاق اڑاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المستغفر من ذنب ویفعلہ کاملستہزیء برہ^۲۔

گناہ کو ترک کئے بغیر زبان سے استغفار کرنے والا، اس شخص کی طرح ہے جو اپنے رب کا مذاق

اڑاتا ہے۔

تبدل و تغیر کا فیصلہ

ہر انسان سے خطا اور غلطی ہو سکتی ہے، سوائے ان ذوات کے کہ جن کو خدا نے عصمت عطا کی ہے، پس کوئی بھی غیر معصوم انسان اس سے بچ نہیں سکتا۔

وَمَا أَبْرَأُ نَفْسِي^۳ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي^ط إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ^۳۔

اور میں اپنے نفس کی صفائی پیش نہیں کرتا، کیونکہ (انسانی) نفس تو برائی پر اکساتا ہے مگر یہ کہ

میرا پروردگار رحم کرے، بیشک میرا پروردگار بڑا بخشنے، رحم کرنے والا ہے۔

توفیق یہ ہے کہ انسان جب کسی بھی خطا کی جانب بڑھنے لگے تو وہ اپنے آپ کو تنبیہ کرے، یا یہ کہ انسان اپنے آپ کو اس بات کی طرف متوجہ کرے کہ وہ ابھی تک کمالات میں سے کوئی خاص کمال حاصل نہیں کر سکا ہے۔

۱۔ حوالہ سابق

۲۔ حوالہ سابق

۳۔ سورہ یوسف: ۵۳

یہی توفیق الہی کا نقطہ آغاز ہے جہاں سے انسان ہدایت کی جانب سفر شروع کرتا ہے۔
رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں

إن كل بني آدم خطاء وخير الخطائين التوابون.^۱

تمام بنی آدم خطا کرنے والے ہیں، خطا کرنے والوں میں بہترین وہ ہیں جو خطا پر توبہ کرتے ہیں۔

یہاں سے اس بات کی ضرورت زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے آپ پر مکمل طور پر آشکار ہوتا کہ غلطیوں کو دور کیا جاسکے، اور اپنے آپ سے پوچھے کہ میں ان خطاؤں اور غلطیوں کو کیسے دور کر سکتا ہوں؟ جبکہ جوں جوں کوئی غلطی یا خطا عادت بنتی جاتی ہے اسی حساب سے انسان کا اپنی ذات کو کشف کرنے اور اس کا محاسبہ کرنے کی اہمیت اور اس کام کی عظمت میں مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ عادت طبیعت ثانویہ ہوتی ہے۔ "وللعادة على كل انسان سلطان" انسان پر اس کی عادت کو حکمرانی حاصل ہوتی ہے۔ عادات انسان کو مغلوب کرنے والی ہوتی ہیں، جس طرح مولائے متقیان امیر المؤمنین علیہ السلام نے یہ تعبیریں اختیار فرمائی ہیں۔^۲

استغفار حقیقت میں بری عادات و سلوک کو تبدیل کرنے کا نام ہے، اگرچہ ان عادتوں سے انسان طویل عرصے سے آشنا ہی کیوں نہ ہو۔

واضح رہے کہ یہ کام اگرچہ اتنا آسان بھی نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزم و ارادہ اور عقل و اختیار دیا ہے، اس کے ذریعے انسان ضرور قادر ہے کہ وہ اپنی خامیوں کو دور کر سکے اور خطاؤں کو ترک کر سکے۔

۱- میزان الحکمة، ج ۱، ص ۵۴۱

۲- حوالہ سابق

یہ بات بھی درست ہے کہ اپنے اندر مثبت تبدیلی پیدا کرنے کے لئے انسان کو توفیق الہی کی ضرورت ہے۔ لیکن توفیق الہی انسان کے ارادہ و اختیار کے تابع ہے، پس جو لوگ اپنے ارادہ و اختیار سے نیکی اور اچھائی کو اختیار کریں، اللہ انہیں نیکی اور اچھائی کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا^۱

اور جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں، ہم انہیں ضرور اپنے راستے کی ہدایت کریں گے

وَالَّذِينَ اهْتَدُوا وَاَزَاهُمْ هُدًى وَاللَّهُمَّ تَقْوَاهُمْ^۲

اور جنہوں نے ہدایت حاصل کی اللہ نے ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔

لیکن جو لوگ ہدایت کو اختیار ہی نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں ہدایت نہیں دیتا۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَغَلَّبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً ۖ فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ^۳

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے (اپنے) علم کی بنیاد پر اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے؟ پس اللہ کے بعد اب اسے کون ہدایت دے گا؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت، انسان کا اپنے لئے ہدایت کا ارادہ کرنے کے بعد آتی ہے... اسی طرح انسان کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں عادت سے مجبور تھا، کیونکہ وہ ارادے کی قوت سے عادت کو شکست دے سکتا تھا۔

۱۔ سورۃ العنکبوت: ۶۹

۲۔ سورۃ محمد: ۱۷

۳۔ سورۃ الجاثیہ، ۲۳

اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمانوں نے اسی ارادہ کی قوت کو استعمال کرتے ہوئے شرک جیسے گناہ سے چھٹکارا حاصل کیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جبکہ شرک کی عادت صدیوں سے ان پر حاکم تھی، اور ان کی زندگی کا لازمی جزو بن چکی تھی۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ آج کل اسلام قبول کر رہے ہیں وہ کس طرح اپنی ان عادتوں سے چھٹکارا پا رہے ہیں، کہ جو ابتدائے اسلام کے لوگوں کے ساتھ بہت حد تک مشابہ ہیں!؟

کچھ عرصہ پہلے شرق وسط اخبار نے تازہ اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں میں سے بعض کے قصے بیان کئے ہیں کہ جن میں سابق جرمن سفیر مراد ہافمن بھی ہے، اس کے بارے میں شرق وسط میں لکھا گیا:

وہ شراب نوشی کا رسیا تھا، اور شراب کی مختلف اقسام سے اسے اچھی طرح واقفیت تھی، اس کا خیال تھا کہ شراب ترک کرنا اس کے لئے انتہائی مشکل ہو گا اور وہ شراب کا ایک گھونٹ پیئے بغیر کبھی ٹھیک سے سو بھی نہیں سکتا۔ لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے احکام کا پابند ہوا۔ تو اس عمل نے اسے ارادہ جیسے ہتھیار سے مسلح کیا اور یوں وہ اپنی زندگی بھر کی اس بری عادت پر غلبہ پانے میں کامیاب ہوا۔^۱

رمضان المبارک کے مہینے میں خصوصی طور پر استغفار کے اس معنی کو ذہن میں رکھنے بالخصوص رمضان کی آخری راتوں میں اس طرف متوجہ رہنے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمتوں کی برسات طلب کرنے کی فرصت ابھی باقی ہوتی ہے۔ اور اس ماہ مبارک میں انسان اپنے حقیقی اہداف و اغراض کو حاصل کر سکتا ہے۔

دعا کی قوت

اس مقدس مہینے میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ بذات خود حصول مغفرت کے لئے علت تامہ نہیں ہیں، جس طرح بعض لوگوں کا گمان ہے، بلکہ یہ انسان کی یاد دہانی کا وسیلہ ہیں، اور روحانی طور پر تبدیلی کے لئے موقع فراہم کرتی ہیں۔ اگر کوئی صفت یا عادت ایسی ہے کہ جس کو تبدیل کرنا ضروری ہے تو آج انسان کو فیصلہ کر لینا چاہئے کہ وہ اس صفت یا عادت کو چھوڑ دے گا۔

مثلاً وہ یہ دیکھے کہ نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں اس کی عادت کیسی ہے؟ کیا وہ نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرتا ہے یا اس میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرتا ہے؟

کیا وہ نماز جماعت کی پابندی کرتا ہے، یا اس عبادت کو اہمیت نہیں دیتا؟

یا مثلاً کسی پرچ و اجب ہے توجیح کی ادائیگی کا فیصلہ اسے کیسے کرنا چاہئے؟

حقوق شرعیہ جیسے خمس، ذکاۃ وغیرہ کی ادائیگی کے بارے میں وہ کیا رویہ اپناتا ہے؟

پس اگر کسی نے آج تک خمس کی ادائیگی کے بارے میں اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کیا، تو اسے چاہئے کہ آج ہی خمس کی ادائیگی کا فیصلہ کرے، تاکہ اس کا مال پاک و پاکیزہ قرار پائے، اسی طرح اس کا کھانا، پینا حلال قرار پائے، اسی طرح جس گھر میں وہ رہتا ہے اور جس لباس میں وہ نماز پڑھتا ہے وہ سب اس کے لئے مباح قرار پائیں، کیونکہ نماز پڑھنے کی جگہ اور لباس کا مباح ہونا نماز درست قرار پانے کی شرائط میں سے ہے۔ اور جب تک حقوق شرعی ادا نہیں کئے جاتے یہ سب چیزیں مباح قرار نہیں پاتیں۔

اس کے بعد اگر انسان دیگر لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات کی جانب دیکھے تو وہ اس پر غور کرے کہ اس کا اپنے گھر والوں اور خاندان کے ساتھ کیسا سلوک ہے؟ وہ یہ دیکھے کہ کیا وہ والدین اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کر رہا ہے؟ اگر نہیں تو پھر کس چیز میں کمی ہے؟

اسی طرح اجتماعی زندگی میں کیا اس کی کسی سے دشمنی ہے؟

یابہ کہ معاشرے کے لوگوں کے ساتھ اس کی مسلسل دشمنی کی وجہ کیا ہے؟

اسی طرح شخصی معاملات میں جیسے سگریٹ نوشی اور اس جیسی دیگر بری عادات کہ جو صحت اور معیشت دونوں کے لئے مضر ہیں، اس بابت انسان کو چاہئے کہ پوری استقامت کے ساتھ مضبوط ارادے کا استعمال کرتے ہوئے ان عادات و صفات کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کرے۔

مشکل فیصلے کرنے کی طاقت

قرآن مجید، اور معصومینؑ سے وارد دعاؤں کی تلاوت نیز ان مبارک لمحات جیسے شب قدر، کی قدر و قیمت کی جانب توجہ انسان کے ارادے کو متحرک، شجاعت کو مہمیز اور اپنے آپ پر اعتماد کو مضبوط بنا دیتی ہے،

تاکہ وہ ایسے مشکل فیصلے کر سکے کہ جن سے اس کی زندگی میں تبدیلی آجائے اور وہ بری عادات و خصلتوں کو چھوڑ دے۔

اس کے علاوہ وہ سوسائٹی کہ جس میں انسان زندگی بسر کرتا ہے وہ اگر اچھی اور صالح ہو تو انسان پر خیر و اصلاح کی جانب سفر میں اس کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے، اور اگر یہی سوسائٹی بری ہو تو اس کے برے اثرات سے بھی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا، لہذا سب سے پہلا فیصلہ بری سوسائٹی سے نکلنے اور اسے ترک کرنے کا ہونا چاہئے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ ہم وہ سب کو رمضان المبارک اور شب ہائے قدر کے اس بابرکت موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اچھائی اور بہتری کی جانب سفر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پس اگر ہم میں سے ہر کوئی کم از کم ایک اچھا فیصلہ کرے اور سال بھر اس فیصلے پر باقی رہے تو اس کے نتیجے میں بھی ہم بہت سی خیر و برکات کو حاصل کر سکتے ہیں۔

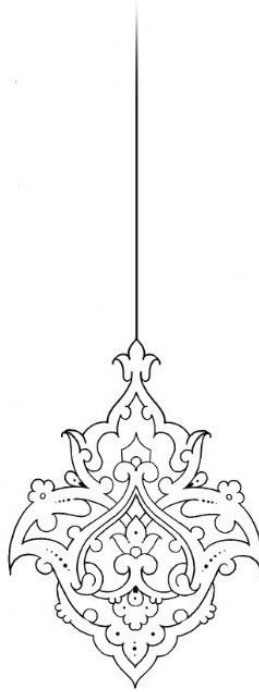
بعض لوگ فیصلہ کرتے ہیں لیکن پھر وہ کمزوری دکھاتے ہیں اور عمل درآمد کے وقت اپنے فیصلے سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔

اور بعض لوگ اپنے فیصلے پر ایک عرصہ تک تو قائم رہتے ہیں لیکن پھر اس میں سستی کرنے لگتے ہیں اور اپنے فیصلے کو اہمیت دینا چھوڑ دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے اور اپنے فیصلوں کا احترام نہیں کرتے اور اپنے آپ سے کئے گئے عہد و پیمان کی قدر و قیمت کو نہیں جانتے۔

امام جعفر الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

من عمل عملاً من أعمال الخیر فلیدم علیہ سنة ولا یقطعہ دونہا^۱۔

جو شخص کوئی خیر کا کام شروع کرے تو اسے چاہئے کہ ایک سال تک اسے انجام دے، ایک سال سے پہلے اسے ترک نہ کرے۔



— خلوص و محبت بھری عید پر نفرت و دشمنی کی تیج کنی —

دشمنیاں انسان کی زندگی کی صاف و شفاف نہر کو گدلا کر دیتی ہیں، معاشرے کی ترجیحات تبدیل کر دیتی ہیں اور لوگوں کی توجہات کو اصل اہداف سے ہٹا دیتی ہیں، کیونکہ دشمنی انسان کی توجہ کا بہت بڑا حصہ اپنے نام کر لیتی ہے، اور پھر اچھی خاصی طاقت اسی میں صرف ہوتی ہے۔ انسان اس سلسلے میں کوششیں بروئے کار لاتا ہے، اور دشمنی و نفرت میں جیت کے لئے سوچ اور جذبات کو استعمال کرتا ہے، جبکہ اسی سوچ اور جذبے کو تعمیری اور ترقیاتی امور میں صرف ہونا چاہئے۔ پس جب معاشرہ دشمنیوں کی گرفت سے نکلے گا اور تنازعات کے بحران کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھے گا تب ہی معاشرہ اس قابل ہو گا کہ وہ اپنی پوری توجہ مثبت اور کارآمد کاموں پر مرکوز کر لے، اور بڑے اعلیٰ مقاصد کو حاصل کر لے۔

دشمنی کا میدان

دشمنی کا سبب کبھی کبھی کسی شخص کی جانب سے دوسرے پر ظلم کرنا یا پھر ظلم کرنے کا دوسرے کو گمان گزرنانا بھی ہوتا ہے۔

پس جب کوئی شخص دوسرے پر ظلم کرتا ہے تو دوسرے میں موجود دفاع کا جذبہ اسے بدلہ لینے پر ابھارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہمیں ایک دوسرے کے معنوی و مادی حقوق کی حفاظت و رعایت کرنے پر بہت زور دیتا ہے۔ اور ہر قسم کے ظلم و زیادتی کو شدت کے ساتھ حرام قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب کبھی معاشرے میں کسی سے ظلم یا اہانت سرزد ہو جائے تو اس سلسلے میں عفو و درگزر کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرٌ عَلَى اللَّهِ^۱

پھر کوئی درگزر کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ^۲

۱- سورۃ الشوریٰ: ۴۰

۲- سورۃ آل عمران: ۱۳۴

اور غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسی طرح رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

تعافوا، تسقط الضغائن بینکم^۱۔

ایک دوسرے کی غلطیوں سے درگزر کیا کرو، یہ عمل تمہارے درمیان ناچاقی کو ختم کر دے گا۔

جبکہ بعض اوقات دشمنی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک گروہ کو یہ گمان ہوتا ہے کہ دوسرا گروہ اس پر ظلم کرتا ہے، یا آئندہ وہ ظلم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ پس ایسا سوچنا درحقیقت دوسروں کی نسبت سوء ظن یعنی بدگمانی کے زمرے میں آتا ہے، یہ جذبہ بعض اوقات دوسروں کے مقام و منزلت کو دیکھ کر حسد کے احساس کا نتیجہ ہوتا ہے یا پھر انسان کی خود بینی کا شاخسانہ ہوتا ہے۔ اسی لیے امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

سوء الظن یفسد الأمور ویبعث علی الشرور۔

بدگمانی معاملات کو بگاڑ دیتی ہے اور اور بدی کی جانب انسان کو ابھارتی ہے۔

من غلب علیہ سوء الظن لم یترک بینہ و بین خلیل صلحا^۲۔

جس شخص پر بدگمانی کا غلبہ ہو جائے، وہ بدگمانی اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان صلح رہنے نہیں دیتی۔

دشمنی اور باہمی تنازعات کی دو قسمیں ہیں

۱. دینی محاصمت و دشمنی

۱- میزان الحکمة، ج ۶، ص ۳۶۷

۲- حوالہ سابق، ج ۵، ص ۶۲۶-۶۲۸

۲. وہ اختلافات کہ جن کا سبب مال و دولت، مقام و منزلت یا پھر کسی قسم کی لذت وغیرہ کا تنازعہ بنتے ہیں۔

تاریخ کے صفحات ایسے خونین واقعات کی تفصیل سے بھرے پڑے ہیں کہ جو دینی اور عقائدی اختلاف کے نتیجے میں وقوع پزیر ہوئے۔ اگرچہ ان دینی و عقائدی نظر آنے والے تنازعات و اختلافات کی تہہ میں کوئی نہ کوئی مادی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ جبکہ دین ان اختلافات کے معاملے میں صرف دکھاؤے کی شے عنوان یا پھر اس معرکے میں محض ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے۔

دین میں دشمنی

کیا دین دشمنی کی اجازت دیتا ہے؟ بالفاظ دیگر کیا جن لوگوں کے درمیان دینی و عقائدی اختلاف موجود ہو وہ اپنے اس اختلاف کا اظہار آپس کی جنگ و جدل کے ذریعے کر سکتے ہیں؟ حقیقت میں جب ہم شریعت مقدسہ کے احکام کی پیروی کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دین میں دشمنی کا کسی طور پر بھی کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا، اس کی تین وجوہات ہیں۔

۱. دین ایک قلبی معاملہ ہے، چنانچہ لوگوں کو اس وقت تک کسی ایک خاص عقیدے کا پابند نہیں بنایا جاسکتا، جب تک وہ اس فکر و عقیدے سے مطمئن نہ ہو جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے، اور انہیں حتیٰ کہ خود اللہ کی ذات پر ایمان لانے کے معاملے میں بھی مجبور نہیں کیا بلکہ اپنے انبیاء و رسل کو بھی یہ کام نہیں سونپا کہ وہ لوگوں کو زبردستی دائرہ اسلام میں شامل کریں۔

فَدَكِّرْ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ * لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ .

پس آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ فقط نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ .

اور کمدیجے: حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

۲. انسان جس عقیدے کو درست سمجھتا ہے اس عقیدے پر دوسرے بندے کو قائل کرنے کے لیے اس کے پاس درست طریقہ صرف اور صرف بات چیت اور گفتگو ہی کا ہے۔ نفرت و دشمنی نہ صرف فریق مقابل کو راضی و قانع نہیں کر سکتی بلکہ اسے مزید سخت سے سخت دشمن بنا دیتی ہے۔ جبکہ حساب برعکس ہو گا تو نتیجہ بھی برعکس ہو گا، (یعنی اگر سختی کا جواب نرمی سے اور نفرت کا جواب محبت سے دیا جائے تو اس کا مثبت اثر ضرور نکلے گا)

إِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ.

آپ (بدی کو) بہترین نیکی سے دفع کریں تو آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت تھی وہ گویا نہایت قریبی دوست بن گیا ہے۔

قرآن مجید تاکید کے ساتھ یہ نکتہ بیان فرماتا ہے کہ بحث و گفتگو یا تواضع حسن طریقے سے ہونا چاہئے یا اصلاً ہونا ہی نہیں چاہئے۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ.

اور تم اہل کتاب سے مناظر نہ کرو مگر بہتر طریقے سے۔

اور فرمایا:

أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنُّعْوَظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ.

(اے رسول) حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف دعوت دیں اور ان سے بہتر انداز میں بحث کریں، یقیناً آپ کا رب بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

۳۔ اگر آپ کو یہ حق ہے کہ آپ لوگوں سے اس بنا پر دشمنی رکھیں کہ وہ لوگ اپنی رائے پر کاربند ہیں اور آپ کی رائے پر عمل نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی آپ کے ساتھ وہی رویہ اپنانے کا حق ہے جو آپ ان کے ساتھ اپناتے ہیں۔ (یعنی ان کو بھی پورا حق ہے کہ آپ کے ساتھ اس بنا پر دشمنی رکھیں کہ آپ اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں اور ان کی رائے کو نہیں اپناتے)، حالانکہ آپ دوسروں سے اپنے لئے اس سلوک کو پسند نہیں کرتے۔ پھر بھی آپ یہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگ آپ کی رائے اور عقیدے کا احترام کرے، جب معاملہ اس طرح ہے تو "عامل الناس بما تحب أن يعاملوك به." لوگوں کے ساتھ اس طرح سلوک رکھو جس قسم کے سلوک کی آپ ان سے اپنے لئے توقع رکھتے ہیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

إجعل نفسك ميزانا فيما بينك وبين غيرك، أحب لغيرك ما تحب لنفسك
واكره له ما تكره لها.^۱

اپنے اور غیر کے درمیان اپنے آپ کو میزان قرار دو، غیر کے لئے وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جو کچھ تمہیں ناپسند ہے اسے غیر کے لئے بھی ناپسند کرو۔

انہی حقائق کی بنیاد پر اسلام نے حالت دفاع کے علاوہ کفار سے جنگ و جہاد کا حکم نہیں دیا، جہاد اس وقت واجب ہو گا جب کفار مسلمانوں پر ظلم کریں، یا پھر اسلام کی نشر و اشاعت اور اسلام کی جانب لوگوں کو بلانے کی راہ میں وہ رکاوٹ بنیں۔ پس ان دو صورتوں کے علاوہ اسلام دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کی دعوت دیتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الدِّينِ لَمْ يُغَيِّرْ لَكُمْ فِي الدِّينِ وَ لَمْ يُخْرِجْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبْذُوهُمْ وَ تَقْسُوْا اِلَيْهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَحِبُّ الْمُقْسِيْنَ.^۲

۱۔ فتح البلاء، مکتوب ۳۱، ص ۳۹۷

۲۔ سورۃ الممتحنہ: ۸

جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اللہ تمہیں ان کے ساتھ احسان کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا، اللہ یقیناً انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اسلام کے مقدس دائرے میں

جب دیگر ادیان کے ماننے والوں کے ساتھ مخالفت و دشمنی ناقابل قبول ہے، تو ایک ہی دین کے مختلف فرقوں میں تو بطریق اولیٰ ناقابل قبول اور ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ مسلمان کہلانے کا اطلاق تمام مسلم فرقوں کے افراد پر ہوتا ہے اس لئے

کل المسلم علی المسلم حرام مالہ ودمہ وعرضہ^۱

ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔

پس ہر فرقے کے پیروکاروں سے یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے دروازے دیگر فرقوں کے لئے کھول دیں، اس لیے کہ آئمہ اہل البیت علیہم السلام نے ہماری اس طرح تربیت کی ہے۔

معاویہ بن وہب کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر الصادق علیہ السلام سے پوچھا:

کیف ینبغی لنا أن نضع فیما بیننا و بین قومنا و بین خلطائنا من الناس ممن لیسوا علی أمرنا؟

ہمیں اپنی قوم کے افراد اور ان لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ ہمارا اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے، کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے جبکہ وہ دین کے معاملے میں ہمارے ساتھ نہیں ہیں؟

قال علی السلام : تنظرون إلى أئمتکم الذین تقتدون بهم فتصنعون ما یصنعون، فوالله إنهم ليعودون مرضاهم ویشهدون جنائزهم و یقیمون الشهادة لهم وعلیہم و یؤدون الأمانة إلیہم^۲.

۱۔ مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، صحیح مسلم، طبع اول ۱۹۹۸م، دار المغنی ریاض، رقم ۲۵۶۳

۲۔ محمد بن یعقوب کلینی، الکافی، ج ۲، ۴۰۵، دار الاضواء بیروت، ص ۲۳۶

امام ﷺ نے فرمایا: تم اس معاملے میں اپنے آئمہ کی جانب دیکھو اور ان کی پیروی کرو، جو وہ کرتے ہیں وہی تم بھی کرو۔ خدا کی قسم تمہارے آئمہ ان مخالفین کے مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، ان کے جنازوں میں شریک ہوتے ہیں، ان کے حق میں بھی اور ان کے خلاف بھی گواہیاں دیتے ہیں، اور ان کی امانتیں ان کو واپس کرتے ہیں۔

اسلام کے دائرے کے اندر فرقوں کے تنگ دائرے بھی ہیں اور یوں ایک ہی مذہب کے اندر بہت سے مکاتب فکر وجود رکھتے ہیں، مثلاً مذہب جعفری میں اخباریوں اور اصولیوں کے درمیان استنباط احکام شریعہ کے طور طریقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی طرح شیخیہ اور دیگر امامیہ علما میں مقام اہلبیت علیہم السلام کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی وابستگیاں، سماجی وابستگیاں اور مختلف مراجع تقلید کی جانب رجوع وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ہی مذہب کے پیروکاروں میں اختلاف موجود ہے، لیکن اس اختلاف اور فرق کو ایک ہی دین اور مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان نفرت و دشمنی کی وجہ کسی طور بھی نہیں بننا چاہئے۔

معاشرہ جب آداب اسلامی کا پابند ہو دشمنی و نفرت کے برے اثرات سے آگاہ ہو اور اپنی شرعی ذمہ داریاں پوری کرنے کا پابند ہو تو اس صورت میں ہر مسئلہ کہ جس میں علمی اختلاف پایا جائے وہ نقطہ ضعف سے نکل کر نقطہ قوت و پیشقدمی کی صورت اختیار کر لیتا ہے، نہ کہ دھماکے اور بحران کی۔

رویت ہلال کا مسئلہ

رمضان المبارک کا چاند ثابت ہونے یا نہ ہونے میں جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہوتا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ کیونکہ آج کل تمام مسلمانوں کی توجہات کو اس مسئلے نے اپنی جانب مبذول کر لیا ہے۔ جبکہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک اسلامی ملک میں ایک دن پہلے عید کا اعلان ہو اور دیگر ممالک میں دوسرے دن عید ہو۔ حتیٰ کہ ایک ہی مذہب یا فرقے کے لوگوں کے درمیان بھی چاند کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف ممکن ہے۔ تو کیا یہ درست ہے کہ چاند کے ثبوت و عدم ثبوت جیسا اختلافی مسئلہ ہمارے درمیان مخاصمت و دشمنی کی وجہ قرار پائے؟

اس مسئلے کا فقہی نقطہ نظر سے تجزیہ

اس مسئلے کو فقہی زاویہ نظر سے حل کرنے کے لئے ہمیں پہلے ایک مقدمے کو بیان کرنے کی ضرورت ہے، اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ شوال کا چاند نظر نہ آنے کی صورت میں روزہ رکھنا مکلف پر واجب ہونا ایک واضح اور غیر مبہم شرعی حکم ہے، اسی طرح چاند نظر آنے کی صورت میں روزہ نہ رکھنا بھی واجب ہے۔ پس جب تک مکلف کو جب تک ثبوت ہلال کا اطمینان حاصل نہ ہو اس وقت تک افطار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ مکلف پر واجب ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے تیس دن ہی پورے کریں۔

جہاں تک اطمینان کے حصول کا تعلق ہے تو وہ فقہی کتابوں میں مزکور کسی ایک طریقے سے حاصل ہو سکتا ہے، وہ طریقے مندرجہ ذیل ہیں

۱. انسان خود چاند دیکھے

۲. دو عادل افراد چاند نظر آنے کی گواہی دے۔

۳. چاند نظر آنے کی خبر اس قدر مشہور ہو جائے کہ کسی جھوٹی خبر کا یوں عام ہونا ممکن نہ ہو یا بہت مشکل ہو۔

جب معاملہ مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے پر مکلف کو اطمینان حاصل ہونے یا نہ ہونے سے مربوط ہے، لہذا اطمینان حاصل ہونے کی صورت میں اس کا اثر مرتب کرنا اور عید کرنا جبکہ اطمینان حاصل نہ ہونے کی صورت میں روزہ رکھنا واجب ہے۔

چونکہ عام طور پر اکثر مکلفین خود چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کرتے، اسی طرح دو عادل گواہوں کی گواہی حاصل کرنا بھی سب کے لئے ممکن نہیں ہوتا، اور اکثر اوقات چاند نظر آنے کی خبر اس طرح سے عام اور مشہور بھی نہیں ہوتی کہ جس سے انسان کو اطمینان حاصل ہو جائے، اس لئے مزکورہ بالا وجوہات کی بنا پر لوگوں نے اس مسئلے میں ان علماء کی طرف دیکھنا شروع کر دیا کہ جو چاند کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کے معاملے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں، اور لوگوں کو بھی ان پر اطمینان و وثوق بھی حاصل ہوتا ہے۔

پس جب کوئی عالم کہ جس کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ ضروری قواعد ضوابط کا التزام کرنے والا ہے، چاند کے ثبوت کی خبر دیتا ہے تو جن جن لوگوں کو اس کی بات پر اطمینان حاصل ہو ان پر ضروری ہے کہ وہ اس خبر پر عملی اثر مرتب کرے۔ یہاں پر دو باتوں کی تاکید بہت ضروری ہے

۱. جب ہر مکلف نے اپنے اطمینان حاصل ہونے یا نہ ہونے پر اثر شرعی مرتب کرنا ہے تو پھر اختلاف کی صورت میں کسی کو بھی دوسرے سے دشمنی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے وظیفہ شرعی کے اوپر عمل کر رہا ہو، پس کسی حکم شرعی پر عمل کرنا آپس میں مخالفت و دشمنی کی وجہ نہیں بننا چاہئے، کیونکہ یہ مسئلہ بالکل اسی طرح ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر کسی مسافر کو مہمان بنا کر لے آئے اور وہ مسافر اپنی نماز قصر پڑھے (جبکہ صاحب خانہ پوری نماز پڑھتا ہو) تو صاحب خانہ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس مسئلے کی وجہ سے اپنے مہمان سے دشمنی کرے، بالکل اسی طرح اگر کسی ایک گروہ کے درمیان قبلہ کی سمت کے بارے میں اختلاف ہو اور ان میں سے ہر کوئی اس سمت رخ کر کے نماز پڑھے کہ جس سمت کعبہ ہونے کا انہیں یقین یا احتمال ہو، تو یہ اختلاف آپس کی دشمنی کا موجب نہیں بننا چاہئے، البتہ ان میں سے ہر ایک کے لئے یہ درست ہے کہ وہ گفتگو کے آداب اور اختلاف کے اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے دوسروں کو یہ بتائے کہ وہ جس سمت کو قبلہ سمجھتا ہے اس کی وجہ اور دلیل کیا ہے،

۲. لوگوں کا چاند کے مسئلے پر علماء کی رائے پر اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ علماء اس جیسے مسائل میں شرعی قواعد کی تطبیق پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہئے کہ چاند کا ثابت ہونا یا نہ ہونا ایک گروہی مسئلہ بن جائے کہ جس میں ہر گروہ اس عالم کی جانب رجوع کرے جو انہیں پسند ہو، جبکہ باقی علماء کی رائے کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ ایسی حالت تب پیدا ہوتی ہے کہ جب ایک گروہ کو اطمینان صرف اس صورت میں حاصل ہوتا ہو جب ان

کے ہم مزاج عالم دین ہی ثبوتِ ہلال کے بارے میں خبر دیں، جبکہ دیگر علما کی رائے کی اس گروہ کے ہاں کوئی قیمت ہی نہیں ہوتی۔

اس مسئلہ شرعی کو ایک گروہ ہی مسئلہ نہیں بنایا جانا چاہئے، بلکہ مکلفین میں سے جس کو بھی کسی باوثوق عالم دین کی جانب سے ثبوت یا عدم ثبوتِ ہلال کی خبر مل جائے تو اطمینان حاصل ہونے کی صورت میں اسے اس خبر پر عملی اثر مرتب کرنا چاہئے۔ لیکن اگر اطمینان حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس خبر پر عملی اثر مرتب نہیں کرنا چاہئے خواہ ثبوت کی خبر دینے والا اس شخص کا مرجع تقلید ہی کیوں نہ ہو۔

اس قسم کے مسائل میں مکلف اور اس کے مرجع تقلید کے درمیان کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا۔ ممکن ہے مکلف کو مزکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے اطمینان حاصل ہو جائے اور وہ روزہ نہ رکھے، جبکہ اس کے مرجع تقلید کو ایسا اطمینان حاصل نہ ہو اور وہ اس دن روزہ رکھے یا پھر اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ہم اس نظریے کو مان بھی لیں کہ چاند کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کے معاملے میں حاکم شرع کا حکم نافذ ہے تب بھی یہ اس بات کے ساتھ مشروط ہوگا کہ مکلف کو حاکم شرع کے خطا پر ہونے کا علم نہ ہو اور یہ علم نہ ہو کہ حاکم شرع نے جس دلیل یا گواہی پر اپنے حکم کی بنیاد رکھی ہے وہ اس معاملے میں خطا پر ہے۔

اب جب کہ ہر مکلف اپنے شرعی وظیفے پر عمل کرتا ہے تو ضروری ہے کہ عام لوگوں کی جانب سے احکام شرعیہ کی روشنی میں عمل کرنے کے اس رجحان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے اور ان کی بابت حسن ظن سے کام لیا جانا چاہیے۔

محبت و اخلاص بھری عید

ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم سب ملکر عید کو محبت اور اخلاص پھیلانے کے بہترین موقع اور ماحول میں تبدیل کر دیں۔ اور اسی طرح اسے مسلمانوں اور مومنین کے درمیان بھائی چارگی اور محبت کے رشتے کو مزید مضبوط بنانے کا موقع سمجھیں، لہذا اس سلسلے میں چند امور کی جانب توجہ مبذول کرنا بہت ضروری ہے۔

۱. چاند دیکھنے کا اہتمام سب کریں، کیونکہ یہ عمل بذات خود سنت ہے، جس پر ہمیں عمل کرنا چاہئے۔ کیونکہ جس قدر چاند دیکھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی چاند نظر آنے کا احتمال اسی اعتبار سے زیادہ ہوگا۔

۲. جس کسی نے بھی چاند دیکھا ہو وہ اس کی گواہی ہر اس عالم کے پاس دے جو اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہو، تاکہ اس معاملے سے تعلق رکھنے والے علماء کے آراء ایک جیسے ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان میں سے بعض کے پاس تو گواہی دے مگر بعض کے پاس گواہی نہ دے۔

۳. وہ علماء جو چاند کے مسئلے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں ان کو ایک دوسرے سے کر کے ایک ہی مؤقف اپنانے اور لوگوں کو اختلاف کے عذاب سے بچانے کی جانب پیش رفت کرنی چاہیے۔

۴. چاند کے ثابت ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف جاری رہنے کی صورت میں ہر گروہ دوسرے گروہ کے نقطہ نظر کا احترام کرے کیونکہ روزہ رکھنا یا عید منانا ہر مکلف کا اپنا اپنا شرعی وظیفہ ہے، جس کا تعلق اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔ پس نیتوں کی بنا پر کسی پر تہمت لگانا درست ہے اور نہ ہی بدگمانی پھیلانا جائز ہے۔ لہذا کسی شرعی مسئلے میں الگ الگ حکم شرعی پر عمل کی وجہ سے دوسروں کے حقوق سلب کرنا، عزت اچھا لانا، اور لوگوں کو کسی کے خلاف ابھارنا سب کے سب غیر معقول و غیر مقبول عمل ہیں۔

۵. ہمیں ایک دوسرے کی غلطیوں سے حتی الامکان چشم پوشی کرنی چاہیے اور لوگوں سے خواہ وہ دین و مذہب اور افکار و نظریات میں ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، ان سب سے حسن معاشرت و بہتر میل جول، کی ثقافت کو پروان چڑھانا چاہئے۔

آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں کہ جو دین میں خصامت و دشمنی سے روکتی ہیں۔ پھر بھی معلوم نہیں کہ ہم ان احادیث مبارکہ سے غافل کیوں ہیں، اور یہ کہ ہم ان احادیث

مبارک کہ کو معاشرے میں عام کیوں نہیں کرتے، جبکہ ہمارے معاشرے کو ان احادیث کی اشد ضرورت بھی ہے۔

امام جعفر الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

فلا تخاصموا لدينكم فان المخاصمة مرضة للقلب.^۱

اور اپنے دین کے لئے لوگوں سے مخاصمت و دشمنی نہ کرو، کیونکہ دشمنی دلوں کو مردہ کر دیتی ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اياكم و الخصومة في الدين فانها تشغل القلب عن ذكر الله عزوجل
وتورث النفاق وتكسب الضغائن.^۲

دین میں مخاصمت و دشمنی سے بچو، کیونکہ یہ دل کو ذکر الہی سے غافل کر دیتی ہے۔ اس سے نفاق پیدا ہوتا ہے اور آپس میں ناراضگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

علی ابن یقین امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مر اصحابك ان يكفوا من ألسنتهم ويدعوا الخصومة في الدين
ويجتهدوا في عبادة الله عزوجل.^۳

اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو حکم دو کہ وہ اپنی زبانوں پر قابو رکھیں اور دین میں مخاصمت و دشمنی سے پرہیز کریں، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنی کوششیں صرف کریں۔

مذکورہ بالا روایات میں دین کے معاملے میں خصومت و دشمنی کے تین نقصانات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱. دشمنی سے انسان کو نفسیاتی طور پر اذیت ہوتی ہے (مرضة للقلب)

^۱ بحار الانوار ج ۲ ص ۱۳۳

^۲ المصدر السابق ص ۱۲۸

^۳ الصدق محمد بن علی بن بابیہ القمی التوحید، (بیروت: دار المعرفۃ)، ص ۳۶۰

۲. معاشرے میں دشمنی و نفرتیں پھیلتی ہیں (تکسب الضغائن)
۳. (دشمنی) انسان کو حقیقی امور سے غافل کر دیتی ہے (تشغل القلب عن ذکر اللہ)

